ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13

(قیمت 10 روپے)

جلد نمبر 30 ...... شمارہ نمبر 06 ...... جون 2023

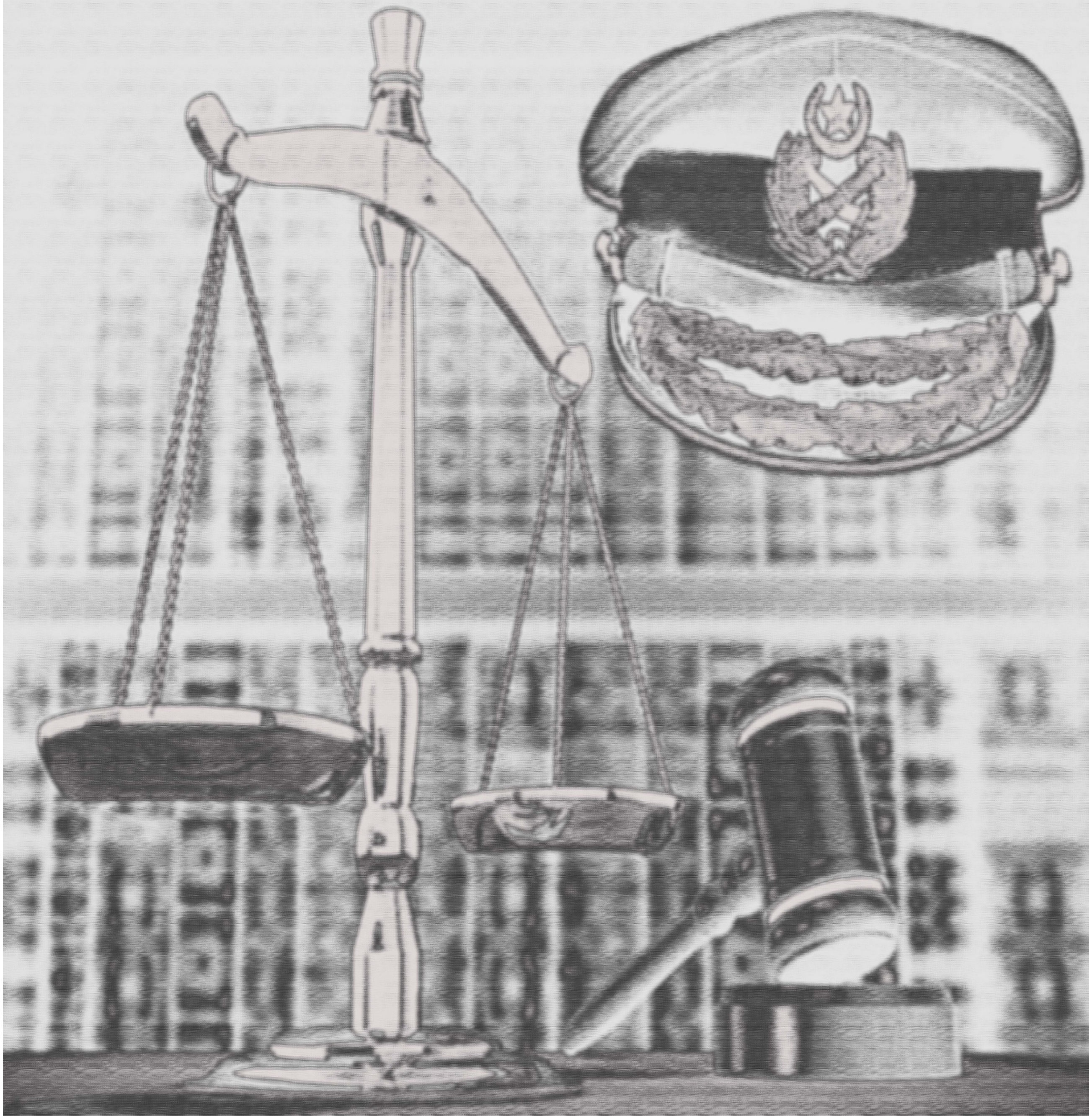

فوجی عدالتوں میں عام شہریوں کا ٹرائل انصاف کا قتل ہے

HRCP شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص شعبہ موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔ اس وقت سے، ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ ہم پولیس کی زیادتیوں، خواتین کے خلاف تشدد، محکمہ جاتی مسائل، اقلیتوں کے حقوق، جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔ تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار: جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کردیتے ہیں۔ اس کے علاوہ، ہمارا مندرجہ ذیل اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

پنجاب

- اسسٹینٹ انسپکٹر جنرل آف پولیس برائے انسانی حقوق سیل، پنجاب
- انسپکٹر جنرل آف پولیس، پنجاب
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، لاہور (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی کے محتسب کا دفتر، پنجاب
- پنجاب کمیشن برائے حقوق نسواں
- پنجاب ویمن پروٹیکشن اتھارٹی
- شہید بے نظیر بھٹو انسانی حقوق مرکز برائے خواتین، بہاولپور
- متاثرین کی معاونت کا مرکز، لاہور
- ویمن، ہیلپ ڈیسکس (پنجاب پولیس) ملتان
- پنجاب پولیس کے ضلعی ویمن ڈیسک، ملتان
- خواتین کے خلاف تشدد سے متعلق مرکز، ملتان

سندھ

- اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل آف پولیس، سندھ
- ڈائریکٹر چائلڈ پروٹیکشن بیورو، کراچی
- ڈپٹی سپریٹنڈنٹ آف پولیس برائے انتظامی امور، حیدرآباد
- ڈپٹی سپریٹنڈنٹ آف پولیس برائے انسانی حقوق سیل، سندھ
- محکمہ انسانی حقوق، حکومت سندھ
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، کراچی (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی محتسب کا دفتر، سندھ
- پولیس سہولت مرکز، حیدرآباد
- سینئر سپریٹنڈنٹ آف پولیس، حیدرآباد
- سندھ کمیشن برائے حقوق نسواں
- سندھ انسانی حقوق کمیشن
- خواتین اور بچوں کے تحفظ کا مرکز، سندھ
- ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ، حکومت سندھ
- ویمنز پولیس اسٹیشن، حیدرآباد

بلوچستان

- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، کوئٹہ (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی کے محتسب کا دفتر، بلوچستان
- ویمنز پولیس اسٹیشن، کوئٹہ
- ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ، بلوچستان

دارالحکومت اسلام آباد

- انسپکٹر جنرل آف پولیس، اسلام آباد
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق
- قومی کمیشن برائے حقوق نسواں

خیبر پختونخوا

- جینڈر ڈیسک، سوات
- انسپکٹر جنرل آف پولیس، خیبر پختونخوا
- خیبر پختونخوا چائلڈ پروٹیکشن اینڈ ویلفیئر کمیشن
- خیبر پختونخوا کمیشن برائے حقوق نسواں
- خیبر پختونخوا ویمن کرائسز سینٹرز، مردان
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، پشاور (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی کے محتسب کا دفتر، خیبر پختونخوا
- ویمنز پولیس اسٹیشن، سوات

گلگت بلتستان

- آغا خان مصالحتی وثالثی بورڈ، گلگت
- محکمہ سول انتظامیہ و پولیس، گلگت بلتستان
- محکمہ انسانی حقوق، گلگت بلتستان

خواتین اور بچوں کی پناہ گاہیں جہاں شکایات سیل کیسز کو ریفر کرتا ہے:

دستک چیریٹیبل ٹرسٹ، لاہور
خواتین کے خلاف ہراسانی کے محتسب کا دفتر، ملتان
پناہ شیلٹر ہوم، کراچی، ایدھی ہومز اینڈ ایدھی یتیم خانے، کراچی
بے نظیر شیلٹر ہوم، کوئٹہ، ایدھی ہوم، کوئٹہ، آبرو شیلٹر ہوم، کوئٹہ
نور ایجوکیشن ٹرسٹ شیلٹر، پشاور

شکایات سیل سائبر ہراسانی کے کیسز مندرجہ ذیل اداروں کو ریفر کرتا ہے:

بولوبھی، کراچی
ڈیجیٹیل رائٹس فاؤنڈ ، لاہور
ایف آئی اے نیشنل ریسپانس سینٹر فار سائبر کرائم، کراچی
ایف آئی اے نیشنل ریسپانس سینٹر فار سائبر کرائم، پشاور

چند سنگین نوعیت کے معاملات میں ایچ آر سی پی ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم بھیجتا ہے تاکہ شکایت کی مزید چھان بین کی جا سکے۔ جس کے بعد ہم اپنے مشاہدات کی بنیاد پر ایک بیان یا رپورٹ جاری کرتے ہیں ہم صرف انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں سے متعلق مشترکہ شکایات کی صورت میں قانونی معاونت فراہم کرتے ہیں

ریفرل کے دیگر روابط

اے جی ایچ ایس لیگل ایڈ سیل، لاہور سے تعلق رکھنے والی یا ان خواتین کے لئے جن کے (مقدمات لاہور کی عدالتوں میں زیر سماعت ہوں)
سوسائٹی فار اسپیشل پرسنز۔ ملتان
دستگیر لیگل ایڈ فاؤنڈیشن، ملتان
پاکستان ہیومن ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن، ملتان
ڈاکٹر ایس ہارون احمد برائے نفسیاتی خدمات، کراچی
ڈپولائن فری کلینک برائے نفسیاتی خدمات، کراچی
لیگل ایڈ سوسائٹی، حیدرآباد، ر سکنگ بیریئر ز ویمن، کوئٹہ

ہم سے رابطہ کریں: آپ ہمیں کال کرسکتے ہیں، واٹس ایپ کرسکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کرسکتے ہیں۔ آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کرسکتے ہیں۔

لاہور

طاہرہ حبیب/لاریب سعید
0333 200 6800 (طاہرہ حبیب)
0321 341 4884 (لاریب سعید)
042 3584 5969
042 3586 4994
ایوان جمہور، 107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
hrcp@hrcp-web.org
complaints@hrcp-web.org

کراچی

نداتنویر/عبدالحئی
0315 111 6287 (نداتنویر)
0333 3046674 (عبدالحئی)
021 3563 7131
021 3563 7132
یونٹ نمبر 08، فرسٹ فلور، اسٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (آئیلا کو ہاؤس)، عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی
karachi@hrcp-web.org

پشاور

اسماء خان
091 5844253
0331 9352097
اعظم چشتی روڈ، شیرازی کالونی، گلی نمبر 1، پیپل اسٹاپ، ریلوے روڈ، پواکا، پشاور
peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد

سمیتا عالم
0313 5358995
051 8351127
آفس نمبر 1 بی، سیکنڈ فلور، بلاک ڈی۔12 (نزد پی ایس او پمپ) جی۔8 مرکز، اسلام آباد
islamabad@hrcp-web.org

کوئٹہ

نائلہ رحیم
0306 294 6125
081 282 7869
فلیٹ نمبر سی۔6، کبیر بلڈنگ، ایم اے جناح روڈ، کوئٹہ
quetta@hrcp-web.org

حیدرآباد

افشاں سمیتو
022 278 3688
022 272 0770
0310 339 2222
آفس نمبر 306، فائزہ آرکیڈ، صدر، حیدرآباد
hyderabad@hrcp-web.org

ملتان

انیلہ اشرف
061 451 7217
0331 665 5529
مکان نمبر 24۔اے، ابدالی کالونی، گلی مسجد ٹیناں والی، ڈیرہ اڈا، ملتان
multan@hrcp-web.org

گلگت

ظہیر اسراج
0344 5475553
0355 4541088
آفس نمبر 9-8، رنگ یل پلازہ، جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد جتیال، گلگت

تربت/مکران

وقار قیوم
0852 413365
0323 234 2406
پرواز ہاؤس، پسنی روڈ، تربت، کیچ
ghaniparwaz@hotmail.com

فہرست

موجودہ سیاسی بحران میں سویلین بالادستی کو برقرار رکھا جائے 03

احتجاج کرنے والی خواتین کے ساتھ ناروا سلوک آخر کب تک؟ 05

اخلاقی پستی کے وہم کے دور میں خواجہ سراؤں کے حقوق سے دستبرداری 06

عشق وہ کارِ مسلسل ہے کہ ... 10

بلوچی ادب کا نمائندہ افسانہ (جہاد) 11

آنکھوں کا نور بانٹنے والے مسیحا ڈاکٹر بیربل گینانی کا قتل 12

ایچ آر سی پی کا میڈیا مانیٹرنگ تجزیہ 14

شوٹنر استور میں جاں بحق ہونے والے خانہ بدوش خاندان 15

محمد خان احمدانی: وہ کبھی بھی خفا نہ ہوا 16

لڑکیوں کے دو سکولوں کو بارودی مواد سے اڑا دیا گیا 19

تفریحی پارک زبوں حالی کا شکار 22

موجودہ سیاسی بحران میں سویلین بالادستی کو برقرار رکھا جائے

حنا جیلانی

چیئرپرسن پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے تمام سیاسی فریقین کو خبردار کیا ہے کہ انہیں ملک کو درپیش متعدد بحرانوں سے نکالنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ ایسے اقدامات سے گریز نہیں کریں گے جس سے ملک کی پہلے سے کمزور جمہوریت کو مزید خطرات لاحق ہو سکتے ہوں۔

ایچ آر سی پی کی موجودہ سیاسی بحران پر گہری نظر ہے اور اس کو تشویش ہے کہ ماضی قریب میں سویلین بالادستی کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ سویلین بالادستی کے تحفظ یا پارلیمنٹ کے وقار کو برقرار رکھنے میں حکومت کی ناکامی یا عدم دلچسپی انتہائی مایوس کن ثابت ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی، حزب اختلاف کی مخالفانہ سیاست اور قانون کی حکمرانی کی توہین کی ایک تاریخ ہے جس نے 9-10 مئی کے دوران املاک کی بے دریغ تباہی کے واقعات کو ہوا دی۔ آتش زنی، ہنگامہ آرائی، لوٹ مار، توڑ پھوڑ اور ریاستی اور نجی املاک پر تجاوزات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پرامن احتجاج نہیں تھے۔

عدلیہ بھی کمزور ثابت ہوئی ہے، اس کے باہمی اتحاد اور غیر جانبداری کی کمی کے اختیارات کی تقسیم پر سنگین اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ایچ آر سی پی کو افسوس ہے کہ عدلیہ اپنی آزادی اور غیر جانبداری کو معتبر طریقے سے برقرار رکھنے میں ناکام رہی جس نے ملک میں قانون کی حکمرانی کے بحران کو مزید بڑھا دیا ہے۔

اگرچہ سیاسی کارکنوں اور پی ٹی آئی کے حامیوں بشمول خواتین اور بچوں کے خلاف تشدد اور زیر حراست تشدد کے بہت سے الزامات کی تصدیق ہونا باقی ہے تاہم، ہم ایسے تمام الزامات کی آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ایچ آر سی پی حکام کو یاد دلاتا ہے کہ زیر حراست افراد کے ساتھ تشدد یا کسی بھی طرح کا ناروا سلوک انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ دو صحافیوں کی گمشدگی کی بھی شفاف طریقے سے تحقیقات کی جائے، نتائج کو منظر عام پر لایا جائے اور مجرموں کا کڑا احتساب کیا جائے۔

پاکستان آرمی ایکٹ 1952 کے تحت عام شہریوں پر مقدمہ چلانے کا حکومتی فیصلہ خاص طور پر تشویش کا باعث ہے۔ اگرچہ سرکاری اور نجی املاک کی تباہی کے ذمہ داروں کو بلاشبہ جوابدہ ٹھہرایا جانا چاہیے، تاہم اس کے لیے سویلین قوانین موجود ہیں۔ کوئی بھی حکومت جو سویلین بالادستی کو برقرار رکھنے کے لیے پر عزم ہو وہ اس ایکٹ کے آرٹیکل 2(1)(d) کو منسوخ کرنے پر سنجیدگی سے غور کرے گی، جو عام شہریوں پر فوجی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کی اجازت دیتا ہے، اور یوں لوگوں کو ان کے منصفانہ ٹرائل کے آئینی حق سے محروم کرتا ہے۔ ایچ آر سی پی کو اس من مانی طریقے پر بھی اعتراض ہے جس کے تحت فوجی عدالتوں کے ذریعے کچھ مقدمات ٹرائل کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں، جو قانون کے سامنے برابری اور قانون کے مساوی تحفظ کے اصول کے منافی ہے۔

تمام سیاسی جماعتوں کو اپنے سیاسی ایجنڈوں کو آگے بڑھانے کے لیے جمہوری، نیک نیتی پر مبنی پرامن طریقے اختیار کرنے چاہئیں، تاہم ایچ آر سی پی سمجھتا ہے کہ کسی بھی سیاسی جماعت پر پابندی لگانے سے پاکستان کی سیاست کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے پی ٹی آئی پر پابندی عائد کرنے کی کوئی بھی کوشش ایک غیر متناسب اور غیر محتاط اقدام ہوگا جس سے مستقبل میں ایک بری مثال قائم ہوگی اور سیاسی جماعتیں اپنے رائے دہندگان کی خواہشات کے مطابق قدرتی طور پر ترقی کرنے سے قاصر رہیں گی۔

ایچ آر سی پی کا اصرار ہے کہ کسی بھی صورت میں قومی انتخابات کو اکتوبر 2023 سے آگے موخر نہیں کیا جانا چاہیے۔ ایسا کوئی بھی حکومتی اقدام جمہوری عمل کو پٹڑی سے اتارنے کے مترادف ہوگا اور اس سے سیاسی عدم استحکام مزید بڑھے گا۔ ایک ایسے ماحول میں جو تمام بنیادی آزادیوں کے استعمال کا موقع دیتا ہو، آزادانہ، منصفانہ اور قابل اعتماد انتخابات سے کم کوئی بھی چیز ملک کو مزید غیر منصفانہ اور غیر جمہوری سیاسی 'تجربات' سے دوچار کر دے گی۔

سب سے بڑھ کر، ایچ آر سی پی کو اس بات پر شدید تشویش ہے کہ پاکستان کی سول سوسائٹی نے ایک طویل اور بھرپور جدوجہد کے بعد جو آزادیاں حاصل کی تھیں غیر سیاسی قوتیں ان پر قابض ہونے کے لیے سرگرم ہیں۔ پاکستانی عوام جس جمہوریت کے طلب گار اور حقدار ہیں وہ بدلتی وفاداریوں اور بیانیوں پر استوار نہیں ہو سکتی۔ ایچ آر سی پی نے 2018 کے انتخابات میں ہونے والی سیاسی انجینئرنگ کی مخالفت کی تھی، اسی طرح آج ہم جمہوری عمل کو پٹڑی سے اتارنے کی موجودہ کوششوں کی بھی بھرپور مخالفت کرتے ہیں۔

سیاسی بحران میں تحمل اور مکالمے کی فوری ضرورت ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) گزشتہ روز سابق وزیرِاعظم عمران خان کی گرفتاری کے بعد ملک میں جنم لینے سیاسی بحران اور اس کے عام شہریوں کے حقوق پر پڑنے والے مضمرات سے بہت زیادہ پریشان ہے۔

خان صاحب کو عدالتِ عالیہ اسلام آباد کے احاطے سے گرفتار کرنے کے لیے غیرضروری طاقت کا استعمال انتہائی قابلِ افسوس ہے۔ طاقت کے بلاجواز استعمال کی قطعاً ضرورت نہیں تھی اور اس نے سیاسی ماحول میں مزید بگاڑ پیدا کیا ہے۔

ایچ آر سی پی سیکورٹی فورسز اور قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے کیئے گئے تشدد کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔ جس میں مبینہ طور پر ایک شخص ہلاک ہوا ہے۔ نیز، مشتعل مظاہرین کی طرف سے ہونے والا تشدد بھی قابلِ مذمت ہے۔ تحمل اور سیاسی مکالمے کی جتنی اِس وقت ضرورت اس سے زیادہ پہلے کبھی نہیں تھی۔ قانون کی حکمرانی کے احترام کا اصول تمام شہریوں پر تمام حالات میں یکساں طور پر لاگو ہونا چاہیے اور اس کا اطلاق پسند ناپسند کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا۔

ایچ آر سی پی کو یہ دیکھ کر بھی تشویش ہوئی کہ ریاست نے بحران پر ردِعمل کے دوران انٹرنیٹ سروس کی فراہمی معطل کردی۔ پہلے کی طرح، اِس طرح کے اقدامات سے خطرناک افواہوں کو گردش کرنے کا موقع ملنے، معلومات تک لوگوں کی رسائی اور عوامی مقامات پر اُن کی حفاظت سے سمجھوتہ کرنے کے علاوہ کچھ حاصل ہوتا۔

ایچ آر سی پی ایک بار پھر تمام سیاسی فریقین پر زور دیتا ہے کہ وہ تشدد، دھونس اور غنڈہ گردی کا سہارا لینے کے بجائے اپنے اختلافات کو حل کرنے کے لیے پارلیمان کے فورم جیسے پُرامن، جمہوری ذرائع استعمال کریں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 10 مئی 2023]

کراچی میں ڈاکٹر کے قتل کی مکمل تحقیقات کی جائیں: ایچ آر سی پی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی قیادت میں ہونے والے ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن کو معلوم ہوا ہے کہ 31 مارچ کو کراچی میں ڈاکٹر بیربل گینانی کے قتل کی بنیادی وجہ ہندو برادری کے ساتھ اُن کا تعلق نہیں تھی۔

مشن نے 15 اپریل 2023 کو تحقیقات سے منسلک قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے ساتھ ساتھ مقتول کے دوستوں اور اہلِ خانہ سے ملاقات کی۔ اگرچہ مجرم ابھی تک فرار ہیں اور تفتیش جاری ہے، مگر شواہد بتاتے ہیں کہ یہ جرم ذاتی دشمنی کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ مشن سے ملاقات کرنے والوں کا کہنا تھا کہ ایسا نہیں لگتا ہے کہ ڈاکٹر گینانی کی مذہبی یا سیاسی وابستگی اُن کے قتل کی وجہ بنی ہے۔

تاہم تشویش کی بات یہ ہے کہ مقتول کے ساتھ گاڑی میں موجود نرس جو اُن کے کلینک میں کام کرتی تھیں اور قتل کے وقت اُن کے ساتھ سفر کررہی تھیں، اُن کو ابھی تک تلاش نہیں کیا گیا، نہ ہی اِس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کسی خاتون پولیس اہلکار کو اس معاملے کی تحقیقات میں شامل کیا گیا ہے۔ مزید برآں، جرم کی نوعیت بتاتی ہے کہ یہ ایک منظم جرم تھا کیونکہ مجرم سی ٹی وی کیمرے میں ریکارڈ ہونے سے بچنے میں کامیاب رہے۔

مشن سفارش کرتا ہے کہ پولیس تحقیقاتی عمل کو تیز کرے، ترجیحاً اِس مقصد کے لیے مشترکہ تحقیقاتی ٹیم کی تشکیل دی جائے۔ ایسے جرائم کے متعلق کلیدی ثبوت حاصل کرنے کے لیے مزید سی ٹی وی کیمرے بھی نصب کیے جانے چاہییں۔ مزید برآں، شہر میں سیکیورٹی کو بڑھانا ضروری ہے، کیونکہ یہ جرم لیاری ایکسپریس وے سے چند سو میٹر کے فاصلے پر پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ سندھ میں جرائم میں حالیہ اضافے کے کئی واقعات میں سے ایک ہے، جن پر مزید تاخیر کیے بغیر توجہ دی جانی چاہیے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 25 مئی 2023]

جہدِحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
  جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کرکے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کرکے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوانِ جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدِحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پرمبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہدِحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

احتجاج کرنے والی خواتین کے ساتھ ناروا سلوک آخر کب تک؟

عارفہ نور

کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ کیوں نہ ماضی کے گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں لکھا جائے۔ اس کی وجہ شاید موجودہ حالات کی وجہ سے شدید 'بوریت' یا شاید یہ سمجھنے میں مشکل کہ اردگرد کیا ہو رہا ہے، خیر وجوہات تو ایک سے زیادہ بھی ہوسکتی ہیں۔ میں آج کل بلیک فرائیڈے کے بارے میں پڑھ رہی ہوں۔ یہ وہ بلیک فرائیڈے نہیں ہے جسے مغربی دنیا نے سیلز سے منسوب کردیا ہے بلکہ وہ بلیک فرائیڈے کا واقعہ جو 1910ء میں رونما ہوا تھا۔ شاید اس وقت سیلز کوئی اہم چیز نہیں تھی۔

یہ وہ وقت تھا جب برطانیہ میں خواتین کو ووٹ ڈالنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ اور بہت سی خواتین کو لگتا تھا کہ شاید یہی دنیا کا نظام ہے کہ ان کے شوہر اور بیٹے جو ووٹ ڈالیں گے، اس سے ان کے انتخاب کی بھی نمائندگی ہوگی۔

لیکن ان میں سے کچھ کو اس سے زیادہ کی توقع تھی۔ وہ ووٹ ڈالنے کے حق کا مطالبہ کرتی تھیں اور حکومت کی جانب سے انہیں محدود حق دینے کا وعدہ بھی کیا گیا لیکن پھر وہ اس وعدے سے مکر گئے۔ پھر ایک جمعے ان خواتین نے لندن میں پارلیمنٹ تک مارچ کیا اور زبردستی عمارت میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ مظاہرین کی تعداد 300 تھی جبکہ ان کا مقابلہ پولیس کی بڑی تعداد نے کیا جن میں سے بہت سے پولیس اہلکاروں کے پاس خواتین مظاہرین سے نمٹنے کا کوئی تجربہ بھی نہیں تھا۔

بتایا جاتا ہے کہ یہ تصادم کئی گھنٹوں تک جاری رہا۔ پولیس اہلکاروں اور تماشائیوں نے یکساں بدسلوکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خواتین کو بیدردی سے مارا، ان پر حملہ کیا اور انہیں گھسیٹا۔ درحقیقت، مظاہرین نے الزام عائد کیا کہ سادہ لباس پہنے پولیس اہلکار بھی ہجوم کا حصہ تھے اور انہوں نے بھی ان کے ساتھ بدسلوکی کی۔ دن کے اختتام پر 100 خواتین اور 4 مردوں کو گرفتار کیا گیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کیا تھا یا پھر مسئلے کے طور پر کس کو دیکھا گیا۔

تاہم گرفتار ہونے والے تمام افراد کو کسی انکوائری یا کارروائی کے بغیر رہا کردیا گیا۔ تمام افراد کی رہائی کا فیصلہ اس وقت کے سیکریٹری داخلہ ونسٹن چرچل نے کیا تھا اور اس وقت یہ الزام عائد کیا گیا کہ یہ فیصلہ صرف اس لیے کیا گیا تھا کیونکہ اگر معاملہ آگے بڑھتا تو پولیس کے ظلم کا معاملہ زیادہ اجاگر ہوتا۔

اس بارے میں بھی ایک طویل بحث ہوتی رہی کہ آیا حکومت نے پولیس کو مظاہرین کے ساتھ گھناؤنا سلوک برتنے کا حکم دیا تھا یا نہیں۔ لیکن اس دن جو کچھ ہوا خواتین نے اس کی گواہی دی اور ان کے بیانات آج تک موجود ہیں۔

'ہجوم میں موجود کانسٹیبلز اور سادہ لباس افراد نے پیچھے سے میرے گرد بازو ڈالے اور لوگوں کے سامنے اپنے ہاتھ میری چھاتی پر رکھے جبکہ ہجوم میں موجود مردوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی میرا اسکرٹ اوپر کرنے کی کوشش کی اور کانسٹیبل نے اپنا گھٹنا اٹھا کر مجھے زمین سے اٹھانے کی کوشش کی۔ یہ وہ خود نہیں کرسکتا تھا تو اس نے مجھے ہجوم میں دھکیل دیا اور مردوں کو اُکسایا کہ وہ میرے ساتھ جیسا چاہیں ویسا سلوک کریں'۔

ایک اور خاتون نے اپنے بیان میں کہا 'ایک پولیس اہلکار نے اپنے بازوؤں میں مجھے جکڑ لیا اور کہا کہ 'تم یہی چاہتی تھی، ہے ناں'۔ ایک معذور خاتون کی وہیل چیئر کو نقصان پہنچا تو وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھی، اس خاتون کو سڑک کنارے زبردستی لے جایا گیا اور اس پر حملہ کیا گیا'۔

اخبار کے پہلے صفحے پر زمین پر لیٹی ہوئی خاتون اور ان کے اوپر کھڑے پولیس اہلکاروں کی تصویر شائع ہوئی، لیکن اس کے باوجود پریس خواتین سے ہمدردی کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔

پریس نے خواتین کو مشتعل ہونے پر تنقید کا نشانہ بنایا جبکہ پولیس فورس کے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کیا گیا۔ بعدازاں دو خواتین جاں بحق بھی ہوئیں اور خدشہ یہی تھا کہ ان دونوں خواتین کی اموات اس دن آئے زخموں کی وجہ سے ہوئی۔

اس پرتشدد واقعے کا اثر ووٹ کا حق مانگنے والی خواتین کی تحریک پر پڑا۔ خواتین پیچھے ہٹ گئیں اور تحریک میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔ جبکہ تحریک میں شامل دیگر خواتین مظاہرے کرنے سے گریز کرنے لگیں اور فوری ردِعمل دینے والی کارروائیوں کو ترجیح دینے لگیں جیسے کہ کھڑکیاں توڑنا تاکہ پولیس کے آنے سے قبل وہ بھاگ سکیں۔

لیکن لگتا یہ ہے کہ خواتین کو زندگی اور سیاست میں متحرک کردار ادا کرنے سے روکنے کے لیے ان کے خلاف تشدد اور جنسی ہراسانی کا حربہ آج بھی استعمال ہو رہا ہے۔ چند ماہ پہلے سینئر لکھاری زبیدہ مصطفیٰ نے ایک کالونی کے رہائشیوں کے ساتھ پولیس کی بدسلوکی کے حوالے سے لکھا جو کہ سڑک کو چوڑا کرنے کے لیے ہونے والی گھروں کی مسماری کے خلاف مزاحمت کر رہے تھے۔

'اہم موڑ تب آیا جب انہوں نے مظاہرین کو حراست میں لینا شروع کیا اور معاملے کو نمٹانے کی جلدی میں انہوں نے 3 نابالغ لڑکیوں کو اٹھایا اور انہیں پولیس وین میں ڈالا جبکہ اسی مزاحمت کے دوران ایک بچی کا حجاب بھی پھاڑ دیا۔ انہیں مبینہ طور پر ناظم آباد تھانے لے جایا گیا۔ یہ بھی قوانین کی خلاف ورزی تھی کیونکہ ان لڑکیوں کو براہِ راست لیاقت آباد خواتین کے تھانے لے کر جانا چاہیے تھا لیکن انہیں ناظم آباد تھانے میں دن بھر تشدد کا نشانہ بنائے جانے کے بعد لیاقت آباد تھانے منتقل کیا گیا'۔ یہ سن کر دل دہل جاتا تھا کہ کس طرح ان [خواتین] کے ساتھ مار پیٹ کی گئی، ان کے چہروں پر نوچا اور کاٹا گیا جبکہ مبینہ طور پر قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے ان کے نازک اعضا پر حملہ کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ 'انہیں بیت الخلا کی صفائی پر مجبور کیا گیا جبکہ انہیں پینے کے پانی کی جگہ پیشاب دیا جا رہا تھا۔ ان کی برادری کے رہنما ان کو بچانے آئے اور آدھی رات سے کچھ وقت قبل انہیں رہائی ملی'۔ یہ زبیدہ مصطفیٰ نے دسمبر میں شائع ہونے والے اپنے کالم میں لکھا تھا۔ لیکن میں نے اس پر لکھا نہیں۔ میں بہت پہلے رونما ہونے والے واقعے کے بارے میں لکھ رہی تھی۔ لیکن صحافیوں میں شاید فکری پختگی کی کمی ہوتی ہے۔ ہماری توجہ ایک واقعے سے دوسرے کی طرف چلی جاتی ہے۔ لیکن بلیک فرائیڈے کا موضوع طویل عرصے سے میرے ذہن میں تھا کیونکہ یہ ہمیں خواتین کی جدوجہد اور ان پر ہونے والے تشدد کی یاد دلاتا ہے جن سے وہ گزر رہی ہیں اور مساوی حقوق حاصل کرنے تک گزرتی رہیں گی۔ یہ مساوی حقوق ووٹ ڈالنے اور احتجاج کرنے کے بارے میں بھی ہیں۔

ان خواتین کے ساتھ مرد مظاہرین سے بھی زیادہ برا سلوک کیا جاتا ہے، کیونکہ احتجاج کے حق نے بھی اقتدار میں موجود مردوں کو بے چین کردیا ہے۔

(بشکریہ ڈان اردو)

بیرسٹر جناح کا مقدمہ

مائی لارڈ! ان حرام۔ توپوں سے پوچھا جائے
انہوں نے میرے گھر پر قبضہ کیا سوچ کے کیا
مائی لارڈ! ادھر ادھر سے بلکہ دنیا بھر سے ادھار پکڑ کے
انہیں یہ مہنگے مہنگے ٹینک کیا اس لیے لے کر دیے تھے
کہ یہ انہیں میرے ہم وطنوں پر چڑھا دیں؟
یہ بکتر بند گاڑیاں جن میں ایندھن نہیں شہریوں کا خون جلتا ہے
لوگوں سے چوری، کمیشن خوری میں کیا اس لیے خریدی گئیں، مائی لارڈ
کہ ان کی مدد سے یہ میرے بچوں کو کچل دیں؟
اپنے ہی ملک کے علاوہ انہوں نے کبھی کچھ نہیں فتح کیا، کرایا
پھر یہ ان کے بنگلوں میں کروڑوں کا مالِ غنیمت کہاں سے آیا؟
(ادریس بابر)

اخلاقی پستی کے وہم کے دَور میں خواجہ سراؤں کے حقوق سے دستبرداری

کارکنان نے کانفرنس کی میز کے ایک طرف نشستیں سنبھالیں اور کمرہ بیوروکریٹس، اراکین پارلیمان، وکلاء، ماہرینِ تعلیم، اور سول سوسائٹی کے اراکین سے بھرنا شروع ہوگیا۔ اجلاس کی مرکزی شخصیت اسلامی نظریاتی کونسل (سی آئی آئی) کے چیئرمین قبلہ ایاز کمرے میں داخل ہوئے تو خاموشی چھا گئی۔ وہ سینیٹر روبینہ خالد کی ساتھ والی نشست پر بیٹھ گئے۔ میز پر خواجہ سرا افراد کے حقوق پر مسودہ قانون کی نقول پڑی تھی۔ کارکنان اور ماہرین کو ایک ایسی متنازعہ شِق پر رائے دینے کے لیے دعوت دی گئی تھی جس کی رُو سے خواجہ سرا افراد کی قانونی پہچان کے لیے ضلعی 'اسکریننگ کمیٹیاں' قائم کرنا ضروری تھا۔

12 فروری 2023 کو کوہاٹ میں رات کے پچھلے پہر کے مسافرین نے علی الصبح کے وقت دیکھا کہ جرما پُل کوہاٹ آمد ورفت کے لیے بند تھا۔ ماحول سوگوار تھا۔ پُل پر بہیمانہ قتل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ ایک شخص نے ایک کار پر گولیوں کی بوچھاڑ کر کے ایک خواجہ سراء عورت کو قتل اور دو دیگر کو زخمی کر دیا تھا۔ قاتل عارف سلیم مقتولہ مِشی کا بھائی نکلا، اور اس نے خاندان کی 'عزت بچانے کے لیے اپنی پانچ گولیاں مارنے کا فیصلہ کیا۔ مِشی کی عمر 21 برس تھی۔ سلیم نے اپنی بہن کی صنفی شناخت اور پیشے کی وجہ سے لوگوں سے طعنے سننے کا اعتراف کیا، چنانچہ اس نے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ قصبے میں پہلے بھی ایسے واقعات پیش آچکے تھے۔ دو برس قبل، 18 سالہ ڈولفن بھی اپنے بھائی کے ہاتھوں ماری جا چکی تھی۔

مِشی ایک تقریب سے واپس آرہی تھی جہاں اُسے رات کے وقت لوگوں کی ' تفریح' کے لیے بلایا گیا تھا۔ ایسی تقریبات جنہیں معاشرے کی عام فہم زبان میں 'فنکشنز ' کہا جاتا ہے، خیبر پختونخوا میں عام ہیں اور ستم زدہ خواجہ سرا برادری کی آمدن کا واحد بڑا ذریعہ ہیں۔ البتہ، مردوں کی بالادستی پر مبنی یہ تقریبات خون ریزی کے مقامات بھی بن جاتے ہیں۔ مِشی پر حملے کے ایک ہفتہ بعد، اسی طرح کا ایک واقعہ سوات میں پیش آیا۔ ماہ نور اپنی دوست کے ساتھ ایک تقریب سے واپس آرہی تھی جب اُس کے ناراض عاشق نے دونوں پر فائرنگ کردی۔ ماہ نور موقع پر ہلاک ہوگئی، اور یوں وہ ایک ماہ مین قتل ہونے والی تیسری خواجہ سرا عورت تھی۔

دونوں حملوں کے درمیانی ہفتے میں، مختلف سیاسی جماعتوں کے کوئی دور جن سینیٹرز ملک میں خواجہ سراؤں کے حقوق پر بحث کرنے کے لیے سینٹ سیکریٹیٹ میں اکٹھے ہوئے۔ تاہم، موضوع جس پر بحث کے لیے یہ فاضل سینیٹرز جمع ہوئے خواجہ سرا افراد کو صنفی تشدد سے بچانے سے متعلق نہیں تھا نا ہی وہ فوجداری قوانین میں نقائص اور انصاف تک رسائی میں رکاوٹوں کو دور کرنے کے بارے میں تھا۔ موضوعِ بحث خواجہ سرا برادری کی بہبود اور تحفظ کے لیے قوانین اور پالیسیوں میں استحکام لانا بھی نہیں تھا۔

اس کے بجائے، کمیٹی نے 2022 میں تجویز ہونے والے کئی قانونی مسودوں پر غور وخوض کیا تاکہ وہ 2018 میں خواجہ سرا افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے منظور ہونے والے قانون سے لفظ 'خواجہ سرا' ہٹا سکیں۔ ابھی دو ہفتے بھی نہیں گزرے تھے کہ سینٹ کمیٹی برائے انسانی حقوق کے چیئرمین ولید اقبال نے وزیرِ مملکت خارجہ امور حنا ربانی کھر کے ہمراہ اقوامِ متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق میں پاکستان کے چوتھے عالمگیر سلسلہ وار جائزے کے دوران 122 ریاستوں کے وفود کو بڑے فخریہ انداز میں وہ اقدامات گنوائے جو پاکستان نے خواجہ سرا شہریوں کی حفاظت کے لیے کیے تھے۔ ان میں زیرِ بحث قانون کی منظوری اور نفاذ بھی شامل تھا۔

2022 پاکستان میں خواجہ سرا افراد کے حقوق پر طویل یوٹرن کا سال تھا۔ ایک طرف، خواجہ سرا افراد کو تحفظ دینے والا وفاقی قانون 2018 زیرِ عتاب رہا تو دوسری طرف 19 خواجہ سراؤں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا اور سینکڑوں پر تشدد کیا گیا۔ پہلے سے پسی ہوئی برادری کا مزید ظلم وستم کے نشانے پر آجانا اور ریاست کا ان کے حقوق سے دستبرداری اختیار کر جانا ملک میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی صورت حال کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا ہے۔ لہذا، 2022 میں *انسانی حقوق کی صورت حال* میں اس موضوع کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔

کارکنان نے کانفرنس کی میز کے ایک طرف نشستیں سنبھالیں اور کمرہ بیوروکریٹس، اراکین پارلیمان، وکلاء، ماہرینِ تعلیم، اور سول سوسائٹی کے اراکین سے بھرنا شروع ہوگیا۔ اجلاس کی مرکزی شخصیت اسلامی نظریاتی کونسل (سی آئی آئی) کے چیئرمین قبلہ ایاز کمرے میں داخل ہوئے تو خاموشی چھا گئی۔ وہ سینیٹر روبینہ خالد کی ساتھ والی نشست پر بیٹھ گئے۔ میز پر خواجہ سرا افراد کے حقوق پر مسودہ قانون کی نقول پڑی تھی۔ کارکنان اور ماہرین کو ایک ایسی متنازعہ شِق پر رائے دینے کے لیے دعوت دی گئی تھی جس کی رُو سے خواجہ سرا افراد کی قانونی پہچان کے لیے ضلعی 'اسکریننگ کمیٹیاں' قائم کرنا ضروری تھا۔

وفاقی محتسب سیکریٹیٹ کے اس کمرے میں خواجہ سرا افراد کے حقوق پر جامع قانون سازی کا مسودہ تیار کرنے کے لیے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے متعلقہ لوگوں کی مشاورت سے کئی مہینوں تک کام ہوتا رہا تھا۔ 18 جنوری 2018 کو چیئرمین اور ان کی تحقیقی ٹیم کے ساتھ اجلاس کا مقصد سی آئی آئی کی رائے لینا تھا کیونکہ سینٹ کی فنگشنل کمیٹی برائے انسانی حقوق دو اختلافی قانونی مسودوں پر غور وخوض کر رہی تھی۔ طبی تحقیقی مطالعے، دیکھ بھال کے عالمی اصول، قرونِ وسطیٰ کی قانونی دستاویزات، تاریخی علاقائی روایات، فقہ (اسلامی ماہرین قوانین) کے فیصلے، تفاصیر اور احادیث کے حوالہ جات — کچھ بھی نہ چھوڑا گیا۔ کارکن ببلی ملک سب سے آخر میں بولیں اور علماء (مذہبی دانشوروں) سے جذباتی اپیل کی کہ اس قانون کے ذریعے خواجہ سرا افراد کے وقار کی حفاظت کی جائے اور اُن کے جسموں، شناختوں اور مسائل کو 'اسکریننگ کمیٹی' کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا جائے۔

سب سے آخر میں، چیئرمین نے نرم مگر توانا آواز میں گفتگو کی۔ انہوں نے خواجہ سرا افراد کے وقار کے حق کی واضح حمایت کی — ایک ایسا جذبہ جو ہمیں سی آئی آئی کی بعد کی رپورٹس میں بھی واضح پر نظر آتا ہے۔ اجلاس آنے والے ہفتوں میں لہر کی سمت تبدیل کرنے میں انتہائی اہم ثابت ہوا۔ سی آئی آئی کی رائے کے ساتھ، سینٹ کی فنکشنل کمیٹی نے فروری 2018 میں ایک جامع مسودہ قانون کی منظوری دی۔ مسودہ قانون پارلیمان کے دونوں ایوانوں میں شروع سے آخر تک پڑھا گیا۔ پارلیمان نے اس برادری پر ڈھائے گئے مظالم کا اعتراف کرتے ہوئے نوآبادیاتی دور کی ناانصافی کا ازالہ کیا اور ساتھ ہی ملک بھر میں خواجہ سرا افراد کے خوابوں اور خوشیوں کی پرزور تائید کرتے ہوئے مسودہ قانون اکثریتی ووٹوں سے منظور کی۔ا

مئی 2018 میں خواجہ سرا افراد (حقوق کا تحفظ) قانون منظور ہونے سے قبل ایک سال تک مشاورتی عمل جاری رہا۔ وفاقی قانون جو کہ دستور کے آرٹیکل 19، 25، اور 26 پر مبنی ہے، جنس، صنفی شناخت اور صنفی اظہار کی بنیاد پر روزگار، تعلیم، صحت کی دیکھ بھال، عوامی مقامات اور خدمات تک رسائی میں امتیاز برتنے کی ممانعت کرتا ہے۔ خواجہ سرا افراد کے بنیادی حقوق، جن میں ان کا قانونی صنفی پہچان کا حق بھی شامل ہے کی تائید کرنے کے علاوہ قانون حکومت کو پابند کرتا ہے کہ وہ خواجہ سرا افراد کی بہبود کے لیے اقدامات کرے اور ان کے لیے پناہ گاہیں اور قید خانوں میں الگ بیرکیں بنائے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے قانون کو سراہتے ہوئے اسے

اپنی نوعیت میں کا اہم قانون 2 اور 'انتہائی ترقی پسند قوانین میں سے ایک' قرار دیا، جس کی بدولت ملک ایسی ریاستوں کی بڑھتی ہوئی فہرست میں شامل ہوگیا ہے جنہوں نے خواجہ سرا افراد کے حقوق کو اسی انداز میں تسلیم کیا تھا۔

اپنی منظوری کے چار برس بعد، قانون اُس وقت ایک متنازعہ دستاویز بن گیا جب خیبر پختونخوا سے جماعت اسلامی کے سینیٹر مشتاق احمد خان غنی نے قانون کالعدم قرار دینے کی مہم شروع کی کیونکہ اُن کے بقول یہ 'ہم جنس شادیوں کو فروغ دینے والا قانون' ہے۔3 خان کے حلقہ انتخاب میں گذشتہ کچھ برسوں کے دوران خواجہ سرا افراد کے قتل اور ان پر بہیمانہ تشدد کے سینکڑوں واقعات پیش آ چکے ہیں۔4 محض 2022 میں چھ حملے ہوئے جن کے نتیجے میں پانچ ہلاکتیں ہوئیں۔ ناقص تحقیقات اور عدالت سے باہر سمجھوتوں کی وجہ سے زیادہ تر مجرم آزاد رہتے ہیں اور غیر محفوظ خواجہ سرا افراد پر جرائم پیشہ عناصر منظم گروہوں کی صورت میں بار بار حملے کرتے رہتے ہیں۔5 پولیس ایسے کارکنان کو دھمکیاں دیتی ہے جو ان حملوں میں پولیس کے بلاواسطہ یا بلواسطہ کردار کی نشاندہی کرتے ہیں۔6

فوجداری نظامِ انصاف میں اور قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے اقدامات میں واضح نقائص پر ردعمل دینے کی بجائے، خان کا یہ دھماکہ خیز جوابی دعویٰ کہ خواجہ سرا افراد کے حقوق کو تحفظ دینے والے قانون نے تن تنہا اسلامی جمہوریہ کی بنیادوں کو نقصان پہنچایا ہے، ملک بھر میں اخلاقی پستی کے وہم کو جنم دینے کا سبب بنا ہے۔ ایک ایسے مسودہ قانون کو روکنے کے لیے احتجاج پھوٹ پڑے جو چار برس پہلے ہی منظور ہو چکا تھا۔ قانون کی مذمت کے لیے صوبائی اسمبلیوں میں قراردادیں پیش ہوئیں۔ یہاں تک کہ تحریکِ طالبان پاکستان نے بھی یہ قانون منظور ہونے پر 'پاک سرزمین کو گستاخوں سے نجات دلانے' کا فتویٰ جاری کیا۔ وفاقی وزیرِ قانون اور وزیرِاعظم کے مشیر نے معاملے کو افہام وتفہیم سے سلجھانے کے لیے ایک پریس کانفرنس کی مگر اسے درجہ حرارت کی شدت میں کوئی کمی نہ آ سکی۔

اگلے چند ہفتوں میں، اصطلاح 'خواجہ سرا' بڑے پیمانے پر گمراہ کن معلومات کی مہم کے طور پر آن لائن پلیٹ فارموں پر پھیل گئی۔ قانون 2018 کے خلاف آن لائن رجحانات کے ایک ماہرانہ تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مواد ان اکاؤنٹس سے شروع ہوا جو ایسی جماعت کے ساتھ وابستہ تھے جس نے سب سے پہلے پارلیمان میں قانون متعارف کروایا تھا۔ پھر مواد کی تشہیر دائیں بازو کی جماعتوں سے وابستہ اکاؤنٹس نے کی جنہوں نے بڑے پیمانے پر آن لائن گمراہ کن معلومات پھیلانے کے لیے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو ایک آلے کے طور پر استعمال کیا۔7

اشتعال انگیز تقریروں کے ذریعے غلط حقائق اور مبالغہ آمیز خوف جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئے۔8 جوابی بیانیہ پیش کرنے والے منظم نہیں تھے اور حقائق کی جانچ کرنے والوں کے پاس وسائل کم تھے۔ قانون سازی کی کارکردگی کے بے مثال مظاہرہ میں، اس ناگوار ایکٹ میں فی الفور ترمیم کرنے اور اسے اسلامی احکام کے مطابق لانے کے لیے سینٹ میں ایک ماہ کے اندر پانچ مزید قانونی مسودے پیش کیے گئے۔9 ایسے ہی ایک مسودہ قانون میں خواجہ سرا شخص کے لیے ایک متبادل اسلامی تعریف 'اخراج پیشاب کے لیے ایک سوراخ رکھتا ہے' تجویز کی گئی ہے۔10 دیگر قانونی مسودوں میں خواجہ سراؤں کے لیے 'طبی معائنہ' کرانے کی شرط عائد کرنے کی کوشش کی گئی تھی تاکہ نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) انھیں درست قومی شناختی کارڈ جاری کرے۔ اِس طرح کی شق تمام خواجہ سرا شہریوں کو 'مشتبہ نظر سے' دیکھنے اور قانون کے سامنے ان کا مساوی شناخت کا حق تسلیم کرنے سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔

ان ترمیمی بلوں کی بنیاد اس عام تصور پر مبنی ہے کہ صنف کوئی ذاتی معاملہ نہیں ہے اور جو لوگ 'مرد' یا 'عورت' صنف کے پیمانے پر پورا نہیں اترتے ہیں ان کی صنف کا فیصلہ کرنے کا اختیار طبی ماہرین کی ایک کمیٹی کے پاس رہنا چاہیے۔ یہ اس حقیقت کے باوجود ہے کہ 92 فیصد خواجہ سرا لوگ صحت کی دیکھ بھال کے مراکز میں اپنے ساتھ امتیازی سلوک کی شکایت کرتے ہیں اور 74 فیصد سرکاری اسپتالوں میں جانے سے مکمل طور پر گریز کرتے ہیں۔11 ان قانونی مسودوں میں معیاری عملی طریقہ کار کا خاکہ پیش نہیں کیا گیا۔ درخواست دہندگان کے لیے اپنے کیس کی معلومات تک رسائی کا کوئی طریقہ کار نہیں ہے نہ ہی یہ بل اس سلسلے میں صحت کی دیکھ بھال کرنے والے پیشہ ور افراد کی صلاحیت کی واضح کمی دور کرتے ہیں۔12 قابل ذکر بات یہ ہے کہ صلاحیت کی یہ کمی جو 'طبی قانونی اور انتظامی پیچیدگیوں' کا باعث بنتی ہے، ریپ مخالف (تحقیقات وٹرائل) قانون 2021 میں دی گئی حفاظتوں سے ریپ کے متاثرین خواجہ سراؤں کو خارج کرنے کے لیے معقول جواز کے طور پر پیش کی گئی،13 اس حقیقت کو نظرانداز کرتے ہوئے کہ 56 فیصد خواجہ سرا، جنسی سرگرمی کے لیے دھوکہ کھانے، جھوٹ بولے جانے یا مجبور کیے جانے کی شکایت کرتے ہیں؛ 35 اور یہ شکایت بھی کرتے ہیں کہ نشہ آور چیزیں دے کر ان کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے جن میں اجتماعی جنسی زیادتی بھی شامل ہے جبکہ بیشتر واقعات رپورٹ نہیں ہوتے۔14

ان بنیادی مسائل کو حل کرنے کے لیے غیر آمادہ یا اہلیت سے قاصر سینٹ کی قائمہ کمیٹی برائے انسانی حقوق نے اس کے بجائے نام پر بحث کرنے اور نام بدلنے کی قدیم روایت اپنانے کا فیصلہ کیا۔ کمیٹی نے مسئلے کا یہ حل پیش کیا کہ قانون میں لفظ 'خواجہ سرا' کو 'خنثیٰ']قرون وسطیٰ کے عرب فقہاء کی جانب سے خلاف معمول اجسام کی درجہ بندی کرنے کے لیے استعمال ہونے والی اصطلاح[سے بدل دیا جائے اور ہر ایک ضلع میں 'خنثیٰ' کی تصدیق کے لیے 30 دنوں کے اندر میڈیکل بورڈ تشکیل دیا جائے تاکہ وہ آخر کار اپنے حقوق حاصل کر سکیں جن کا انہیں عرصہ دراز سے انتظار ہے۔15

یک جنسی سے بین جنسی تک کا سفر: نام میں کیا پڑا ہے

نام بدلنے کی مہم سازی نئی نہیں ہے۔ 2009 میں عدالتِ عظمیٰ میں اسلم خاکی کی انسانی حقوق کی ایک معروف پٹیشن میں جو 'شی میل' تھے وہ بعد میں عدالتی دستاویزات اور فیصلوں میں مخنث (پہلے 'یونیکس') بن گئے۔16 نادرا نے 2011 میں مخنث کی تیسری صنف پیدا کی اور اس طرح انہیں مزید زنخا (ہی میل) اور خواجہ سرا (شی میل) میں تقسیم کیا۔ 2012 کی ایک اصلاحی پالیسی میں صنف کی دو نہیں، تین نہیں بلکہ پانچ اقسام شامل کی گئیں: مرد، عورت، خواجہ سرا مرد، خواجہ سرا عورت اور خنثیٰ مُشکِل۔ اسے بعد میں ایک قانونی انضباطی حکم نامے کے ذریعے نادرا کی پالیسیوں میں ضابطہ نمبر 13-1 کے طور پر شامل کر دیا گیا۔ حکم نامے میں مرد مخنث، عورت مخنث اور یک جنس لوگوں کے اندراج کا تقاضا کیا گیا تھا۔ یہ ضابطہ 2022 میں ختم کر دیا گیا کیونکہ اسے خواجہ سرا افراد (حقوق کا تحفظ) قانون نے متروک قرار دے دیا تھا۔17

2017 سے، کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈز (سی این آئی سیز) خواجہ سرا شہریوں کی صنف کے خانے میں علامت 'ایکس' استعمال کرتے ہیں۔ خواجہ سرا اور بین جنسی افراد (حقوق کا تحفظ) بل 2017 نادرا کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکا۔ البتہ، اُسی وقت بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ایک سینیٹر صاحب بل کے عنوان میں لفظ 'سیکس' سے ناراض ہوئے اور اسے ختم کروایا دیا۔18 2018 میں خواجہ سرا افراد (حقوق کا تحفظ) قانون منظور ہونے کے بعد حکومت نے اپنے سرکاری استعمال 19 کے لیے لفظ 'خواجہ سرا' استعمال کرنا شروع کر دیا، اور اس کی قانون میں جامع تعریف دی گئی اور قانون نے اس موضوع پر ہونے والی پہلے سے موجود ملکی فقہ میں ضروری ردوبدل کیا۔ 2021 میں قواعد وضوابط کا نوٹیفکیشن جاری ہوا تو مزید واضح کیا گیا کہ قانون میں خواجہ سرا کے طور پر تسلیم کیے گئے شہریوں کا اندراج صرف 'ایکس' صنف کے طور پر ہوگا، جبکہ ایف (عورت) یا 'ایم' (مرد) کی حیثیت سے نہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ قانون میں 'ایکس' صنف کے لوگوں کی شادی کے حوالے سے کوئی شق نہیں۔ شادی 'ایم' اور 'ایف' کے درمیان ہوتی ہے اور سرکاری نکاح نامہ میں ایسے ہی رجسٹرڈ ہوتی ہے۔

خواجہ سرا شہری-رعایا کے معاملات سے نپٹنے کا عمل بیوروکریسی کے اس خدشے سے متاثر ہوا ہے کہ بعض جعلی خواجہ سرا ریاست کے فلاحی منصوبوں اور کوٹوں کے دعویدار بن جائیں گے۔

لہذا، یہ قابل ذکر ہے کہ عدالتِ عظمیٰ نے اپنے فیصلوں میں (2009-12) جن کوٹوں پر عملدرآمد کے لیے کہا اُن پر عملدرآمد کے لیے لگ بھگ ایک عشرہ لگا اور وہ بھی صرف ایک صوبے میں ہی عملدرآمد ہوا۔ سندھ نے جولائی 2022 میں خواجہ سرا افراد کے لیے ملازمتوں میں صفر اعشاریہ پانچ فیصد مختص کیا۔ 2018 کے برعکس، جو ملازمتی کوٹہ کا حکم نہیں دیتا نہ ہی طبی معائنے کا تقاضا کرتا ہے، خواجہ سرا افراد سندھ سول سروسز (ترمیمی) قانون 2022 کی رُو سے خواجہ سرا فرد مستند طبی بورڈ کے معائنے کے بعد ہی کوٹے کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔ دسمبر 2021 میں سندھ اسمبلی نے مقامی حکومت (ترمیمی) قانون منظور کیا جس نے اس قسم کی شرط کے بغیر مقامی حکومتی اداروں میں خواجہ سرا افراد کے لیے ایک فیصد کوٹہ مختص کیا۔ پنجاب سماجی تحفظ اتھارٹی کے تحت خواجہ سراؤں کی فلاح و بہبود کے لیے مساوات پروگرام بھی 2022 میں فعال ہو گیا تھا، اگرچہ اس میں کوئی خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔

صوبوں میں قانون کے عدم اطلاق کے باعث وفاقی قانون 2018 پر تنقید میں اضافہ ہوا تو ایک طرف 'بین جنسی' کی اصطلاح پھر سے عام ہونے لگی تو دوسری طرف خود کو خواجہ سرا ظاہر کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعداد بھی سامنے آنے لگی۔ تنازعہ کا شکار ہو کر قانون ناکارہ ہو گیا اور پھر جے آئی کے فاضل سینیٹر نے اسے بدل کر خنثیٰ افراد (حقوق کا تحفظ) بل 2022 میں متعارف کروایا تاکہ اسے شریعت کے تابع کیا جا سکے۔ نیا بل حقیقت میں 2018 قانون جیسا ہی ہے۔ ایک شق کا اضافہ کیا گیا ہے جس کا مقصد 'صنف کے از سر نو تعین کے لیے بورڈ' تشکیل دینا ہے جو لوگوں کے اعضائے تناسل کا معائنہ کرے گا اور اس طرح غیر واضح حقوق کے حصول کے لیے یہ لازمی شرط عائد کی گئی ہے۔20 یہ بل اس معاملے پر ملکی فقہ اور دنیا میں اختیار کیے جانے والے طبی اصولوں کے منافی، صنفی اضطراب کی تشخیص کی بنیاد پر جنس کے دوبارہ تعین کے لیے طبی آپریشن کی ممانعت بھی کرتا ہے۔

خواجہ سرا افراد کے خلاف صنفی اور جنسی تشدد کے مشکل اور پیچیدہ مسئلے، جسے صنفی شناخت اور اظہار کی بنیاد پر پائے جانے والے ادارہ جاتی امتیاز نے اور زیادہ گھمبیر بنا دیا ہے، پر ردِعمل میں قانون سازوں نے، حقوق کے تحفظ کی عظیم کاوش کے دوران، خواجہ سرا افراد کے وجود کی سرے سے نفی کر کے اُن کے لیے قانون سازی کی ہے۔ منطق قطعی طور پر درست ہے۔ آپ کی صنفی شناخت یا اظہار کی بنیاد پر ہراسانی یا امتیازی سلوک کیسے ہو سکتا ہے جب مؤخر الذکر بذاتِ خود طبی بورڈ کے سامنے ایک متنازعہ معاملہ ہے اور طبی بورڈ کو آپ کی صنف کے تعین کے لیے رہنمائی کی خاطر 'ضلعی خطیب' (جو نماز کے دوران خطبہ دیتا ہے) سے مشورہ کرنا ہے۔ آپ بورڈ کے فیصلے کے خلاف اپیل بھی نہیں کر سکتے۔ یُوں معاملہ ٹھپ ہوا۔

اسے حلال رکھنے کی جستجو

مگر معاملہ ابھی ٹھپ نہیں ہوا۔ ایک ایسے فرد کی صنف کے تعین میں یقینی کیفیت پیدا کرنے کی جستجو، جس کا جسم، شناخت اور اظہارِ صنفی دہریت سے منحرف تصور کیا جاتا ہے، نے مختلف فریقین کو معاملہ وفاقی شرعی عدالت میں لے جانے پر مجبور کیا۔ عدالت نے 2022 میں اس پٹیشنوں کی کم از کم 14 سماعتیں کیں۔ پٹیشنوں (2021 میں دائر شدہ) نے بنیادی طور پر قانون 2018 کے سیکشن 3 (جو کہتا ہے کہ خواجہ سرا افراد کو اپنے ذاتی تصور کی بنیاد پر اپنی صنفی شناخت تسلیم کروانے کا حق حاصل ہے) کو اسلامی احکامات سے متصادم ہونے پر چیلنج کیا۔ اسی طرح کی پٹیشنیں عدالت عالیہ لاہور اور عدالت عالیہ سندھ میں دائر ہوئی تھیں جن میں قانون سماجی و ثقافتی اقدار کے خلاف ہے مگر وہ ان عدالتوں سے 2022 میں مسترد ہو گئی تھیں۔ کچھ احادیث (رسول پاک کے فرمان) اور قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے، وفاقی شرعی عدالت میں ان پٹیشنوں نے ایک ہی مشترکہ خدشے کا اظہار کیا: کہ قانون ان افراد کو خواجہ سرا تسلیم کروانے کا موقع فراہم کرے گا جو اصل میں خواجہ سرا نہیں ہیں۔21 اس خدشے کا سب سے بہترین اظہار ہمیں حماد حسین کی دائر کردہ پٹیشن میں دی گئی تنبیہ میں ملے گا:

اس (قانون) سے اسلامی معاشرے میں بے حیائی اور حرام اعمال کا سیلاب امڈ آئے گا، جو بالآخر مغربی دنیا میں پروان چڑھائے جانے والے ہم جنس پرستوں اور ہم جنس پرستوں کے بین الاقوامی شیطانی ایجنڈے کو آگے بڑھائے گا۔ (اصل متن سے اقتباس)

اس دلیل کے پیچھے کسی قسم کے شواہد نہیں پائے جاتے کہ کوئی سازشی ایجنڈا کارفرما تھا۔ درحقیقت، یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی تحقیق موجود ہے اور خواجہ سرا افراد کے سروے سے معلوم ہوا کہ ہر دس میں سے صرف ایک خواجہ سرا نے اپنی صنف کے مطابق سی این آئی سی حاصل کرنے کے بارے میں سوچ رکھا تھا،22 یہ کہ خواجہ سرا افراد کو اب بھی اپنی قانونی دستاویزات میں ردّوبدل23 کے لیے طبی سرٹیفکیٹ یا کوئی اور ثبوت پیش کرنے کے لیے کہا جاتا ہے، اور یہ کہ نادرا مراکز، خاص طور پر چھوٹے شہروں میں، خواجہ سرا افراد کے لیے ناقابل رسائی رہتے ہیں اور انہیں اُن مراکز میں طعنہ زنی، امتیازی سلوک اور یہاں تک کہ ہراسانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔24 پٹیشن میں یہ تاثر بھی شامل تھا کہ قانون نے صنف میں من مانی تبدیلیوں کا راستہ کھول دیا ہے۔25 نادرا کی پالیسیوں کے مفصّل جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔26

وفاقی شرعی عدالت میں پٹیشنرز کے دلائل اس حقیقت سے بھی بے فکر نظر آئے کہ پاکستانی آبادی کا چھوٹا سا حصہ جس کی صنف قانونی دستاویزات پر کامیابی کے ساتھ درست کر دی گئی ہے،27 وہ ابھی بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سامنا کر رہی ہے۔ اعلیٰ عدالتوں میں دائر کئی پٹیشنوں سے اس حقیقت کی عکاسی ہوتی ہے۔28 خواجہ سرا لوگوں کو عوامی شعبوں میں زیادتیوں اور اپنے وقار پر حملوں کا سامنا ہے۔ اس برس اپریل میں عدالتِ عالیہ لاہور میں خواجہ سراؤں کی کارکن زعنایا چوہدری نے ایک پٹیشن دائر کی جس میں انہوں نے ایک فلم کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا جس میں ایک مکالمے کے دوران خواجہ سرا افراد کا مذاق اڑایا گیا تھا۔29

مقامی فقہ جس میں اعلیٰ عدالتوں نے خواجہ سرا افراد کے حقوق کی تائید کی ہے، کے بالکل برعکس، ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت میں دائر پٹیشنوں کے پاس ٹھوس شواہد تو ہیں نہیں جس کے باعث اُن کا سارا زور اخلاقیات کا شور مچانے پہ ہے۔ البتہ، ان غیر حقیقی دعووں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ پٹیشنوں نے اپنا زیادہ زور اس نکتے پر لگایا ہے، جو کہ پٹیشنرز کی رائے معلوا ہوج ہے، کہ 2018 کے قانون میں فرد کے احساسات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ کہ لفظ 'احساسات' قانون کے متن میں کہیں بھی موجود نہیں۔ اس تنقید کا زیادہ تر نشانہ قانون میں 'صنفی شناخت'، 'صنفی اظہار' اور 'خواجہ سرا فرد' کی تعریفوں کو بنایا گیا ہے۔30

پٹیشنرز نے عدالت میں دلائل کو سادہ بنانے کا خطرہ مول لیتے ہوئے، بار بار یہ دعویٰ کیا کہ قانون میں، خاص طور پر شریعت میں احساسات کی کوئی جگہ نہیں۔ ایک ایسے وقت میں جب پس ماندہ طبقے کے لوگوں کے حق زندگی، وقار اور وقار کے حقوق کے تصفیے کے دوران احساسات کی قطعاً قدر نہیں کی جا رہی، یہ یاد رکھنا انتہائی اہم ہے کہ پاکستان کی عدلیہ نے وقتاً فوقتاً خواجہ سرا افراد کے حقوق کے متعلق فیصلے سناتے وقت ان کے لیے بہت زیادہ ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ عدالتِ عالیہ لاہور کے جسٹس عابد عزیز شیخ نے مشاہدہ کیا:

معاشرہ خواجہ سرا برادری کے افراد کے صدمے، اذیت اور درد کی بہت کم فکر کرتا یا اسے سمجھتا ہے، نہ ہی خواجہ سرا برادری، کے اندرونی احساسات کا ادراک کرتا ہے، خاص طور پر ان کا جن کا ذہن اور جسم اُن کے حیاتیاتی جنس سے لاتعلقی اختیار کرتا ہے (ہو بہو اصل متن)۔31

وفاقی شرعی عدالت نے اب تک اس معاملے کو نبٹانے کے لیے انسانی حقوق کے عالمی قانون سے رہنمائی لینے میں دلچسپی ظاہر نہیں کی۔32 عدالت نے خطے کے دیگر ممالک کی متعلقہ فقہ پر بھی بہت کم توجہ دی ہے۔33 اگر ہم دیکھیں کہ پاکستان کے ہمسایہ ممالک نے خواجہ سرا لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے چیلنج پر کس طرح ایک متوازن اور جامع انداز اپنا کر قابو پایا ہے تو ہمیں سیکھنے کو بہت کچھ ملے گا۔

خاندانی اقدار

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 25(2) میں

لکھا ہے کہ 'جنس کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں ہوگا۔ 2018 کا ایکٹ خاص طور پر اس وجہ سے مشکل صورت حال سے دوچار ہے کیونکہ یہ جنس کی ایک متحرک سماجی حقیقت کو جنس کے جامد آئینی زمرے میں پڑھتا ہے۔ یہ اس سمجھ بوجھ پر مبنی ہے کہ جب ہم امتیازی سلوک کے بارے میں بات کرتے ہیں تو اس سے ہم یہ مراد لیتے ہیں کہ جابرانہ صنفی اقدار کی بنیاد پر امتیازی سلوک اور تشدد، جیسا کہ حال ہی میں عدالتِ عظمیٰ نے بھی کہا ہے۔ 34 اس تشدد کا اثر نہ صرف جسم پر محسوس ہوتا ہے اور نہ ہی یہ تشدد محض جسمانی اعضاء کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ تشدد اس اظہار سے شروع ہوتا ہے جو کسی جسم کی جنس کے طور پر شناخت کرتا ہے، اور شناخت کا یہ نفسیاتی اظہار ہی ہے — کسی کے حقیقی مکمل خود ہونے کا امکان — جسے اس طرح کا تشدد بالآخر محکوم یا تباہ کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔

اس طرح، 2018 کا قانون جنس، صنفی شناخت اور صنفی اظہار کی بنیاد پر بھی امتیازی سلوک کی ممانعت کرتا ہے، اور صنفی بنیاد پر تشدد کے خلاف حفاظتی انتظامات تشکیل دینے کے لیے متاثرین کو مدد کی پیشکش کرتا ہے۔ یہ خواجہ سرا افراد کو فوری مدد کی ضرورت کے وقت محض بے بس متاثرین کے طور پر نہیں چھوڑتا۔ یہ اُنہیں بالکل واضح طور پر وہی فراہم کرتا ہے جو کہ تشدد اُن سے چھیننے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے — اُن کی اہلیت اور ایجنسی تاکہ وہ اپنی ذات کا تعین اور اظہار کر سکیں۔ وہ قانون کے سامنے مساوی تسلیم کیے جاتے ہیں اور قانون کی مساوی حفاظت کے حقدار ہیں (آرٹیکل 25(1))۔ ان کی آزادیِ اظہار کو قانون کے ذریعے تحفظ حاصل ہے (آرٹیکل 19) اور قانون کے ذریعے ان کا وقار بحال کیا گیا ہے (آرٹیکل 14)۔ اور اس کی وجہ سے ہی وہ ایک بار پھر، اپنے حقِ زندگی سے لطف اندوز ہونے کے قابل ہوئے ہیں (آرٹیکل 9)۔ یہی وجہ ہے کہ میاں آسیہ بنام فیڈریشن آف پاکستان میں عدالتِ عالیہ لاہور نے کہا:

صنفی شناخت زندگی کے سب سے بنیادی پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ صنفی شناخت ہر ایک شخص کے مرد، عورت یا خواجہ سرا ہونے کے اندرونی احساس سے تعلق رکھتی ہے۔ ہر ایک کو صنفی شناخت کی بنیاد پر تمام انسانی حقوق سے بلا امتیاز لطف اندوز ہونے کا حق حاصل ہے۔ ہر شخص کو ہر جگہ قانون کے سامنے بطور فرد تسلیم کیے جانے کا حق حاصل ہے۔

اِس کے برعکس، اپنے ذاتی تصور کی بنیاد پر صنفی شناخت کے اس حق نے کچھ شدید نوعیت کے مسائل کو اجاگر کیا ہے۔ یہ استدلال کرتے ہوئے کہ 2018 کا ایکٹ 'ہم جنس شادی' کی راہ ہموار کر کے خاندانی اقدار کو خطرے میں ڈالتا ہے، قانون کے ناقدین نے جنسیت کے ایک نظریے کو جنس کے آئینی زمرے میں پڑھا ہے۔ جس طرح انیسویں صدی میں نوآبادیاتی انتظامیہ نے ہیجڑوں ('تیسری جنس' کے لیے جنوبی ایشیائی اصطلاح) کے متعلق اخلاقی پستی کے خوف کے ذریعے قانون میں اغلام بازی کا تصور متعارف کروایا تھا تاکہ وہ مقامی آبادیوں 35 پر اپنا کنٹرول مستحکم کر سکیں، اب سیاسی انتشار 36 کے ادوار میں آسانی سے خواجہ سرا (جے آئی کے بقول، اصل میں کسی اور بھیس بدل کر ہم جنس پرست) دوبارہ دریافت ہوا ہے جو کہ 'قانونی و سماجی انتشار' کا پیش خیمہ ہے، جسے پاکستانی قومی ریاست نے اپنی بقا کو یقینی بنانے کے لیے اپنے قابو میں رکھنا ہے۔ 37 بڑے پیمانے پر سراہی جانے والی فلم جوائے لینڈ جس کے مرکزی کرداروں میں ایک خواجہ سرا عورت بھی شامل ہے، پر سنسر بورڈ کی گمراہ کن پابندی سے اس خوف کی واضح عکاسی ہوتی ہے۔ 38

اِس حساس موضوع کی جستجو نے بذاتِ خود ان موضوعات کو عوامی بحث کا حصہ بنایا ہے اور پھر قانون کے ذریعے ان کا گلا گھونٹا جاتا ہے۔ یہ کام 'خواجہ سرا' (یا اس کی مختلف اقسام) جسی مبہم قسم کی کڑی نگرانی کرنے اور ان کی از سرِ نو تعریف وضع کرنے کے سخت منصوبوں نے ممکن بنایا ہے، اور اس عمل کو 'جعلی' اور 'بہروپیوں' کے متعلق بار بار پیدا ہونے والے خدشات سے تقویت ملی، اور یوں اس قسم کو صنفی اور جنسی اقدار کے لیے مستقل خطرہ قرار دینے کا راستہ ہموار ہوا۔ کسی دشواری کے بغیر، اس طرزِ عمل سے اس حقیقت کا ادراک نہیں ہو پاتا کہ خاندان بذاتِ خود اکثر ان صنفی و جنسی اقدار کی علمبرداری کا مقام ہوتا ہے، اور اپنی انتہائی جابرانہ شکل میں ایسے لوگوں کو نظم سکھاتا، سزا دیتا، ترک کرتا، اور یہاں تک کہ قتل کرتی ہے جو غیر حقیقی صنفی دہریت پر مبنی مسلمہ اقدار کی پیروی کرنے میں ناکام ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ قابل ذکر امر ہے کہ پاکستان میں گھریلو تشدد پر کوئی بھی قانون، ماسوائے سندھ کے قانون کے، خواجہ سرا افراد کو تحفظ فراہم نہیں کرتا۔ 39 آج تک، خواجہ سرا افراد کے لیے ملک میں صرف ایک حفاظتی مرکز قائم ہو سکا ہے۔

گھبراہٹ کا علاج

خواجہ سرا لوگوں کو بااختیار بنانے کے سفر میں پاکستان نے کئی 'ابتدائی اقدامات' کرنے کا سہرا اپنے سر لیا ہے۔ وفاقی و حکومتوں کے اقدامات کا انسانی حقوق کے کئی فورموں پر بڑھ چڑھ کر ذکر کیا گیا ہے، جس کی حالیہ مثال پاکستان کے عالمگیر سلسلہ وار جائزے کے دوران کونسل برائے انسانی حقوق کو دی جانے والی رپورٹ ہے۔ 40 خواجہ سرا (حقوق کا تحفظ) قانون 2018 کو پاکستان کے جی ایس پی پلس جائزے میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ 41 ایک ایسے وقت پر جب خواجہ سرا افراد کو تشدد کی لہر کا سامنا ہے، پاکستان انسانی حقوق سے متعلق اپنے متعدد عالمی وعدوں سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا جو اس نے غیر محفوظ طبقوں کو تحفظ دینے کے لیے کر رکھے ہیں۔

دریں اثنا، مشی اور ماہ نور کو خفیہ طور پر سپردِ خاک کر دیا گیا ہے۔ حملوں میں زخمی ہونے والی چار دیگر خواجہ سرا خواتین اسپتال میں پڑی ہوئی ہیں۔ کسی نے نوٹس نہیں لیا۔ کسی نے انہیں انصاف کی یقین دہانی نہیں کرائی۔ ریاست کی طرف سے اس طرح کے تشدد کے مرتکب افراد کو پیغام واضح ہے۔ ہم اس افسوسناک صورت حال کو نظر انداز کرتے رہیں گے۔ اگر چہ قومی سلامتی کی پالیسی واضح طور پر خواجہ سراؤں کو صنفی تشدد سے تحفظ کو انسانی سلامتی 42 کا ایک اہم ہدف قرار دیتی ہے، مگر پاکستان اپنے ہی نظریات پر کاربند رہنے میں ناکام ثابت ہو رہا ہے کیونکہ محدود قانونی حفاظتوں کو ختم کرنے کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں اور خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد کے مرتکب افراد کے لیے استثنیٰ کا ماحول قائم کیا گیا ہے۔ 43 چونکہ عالمی سطح پر پاکستان خواجہ سرا افراد کے لیے موت کی وادی جیسی بری شہرت پا رہا ہے، لہٰذا ایسا لگتا ہے کہ ریاستی ادارے ملک میں خواجہ سراؤں پر تشدد کی وبا سے نمٹنے میں ناکام ثابت ہو رہے ہیں۔ پاکستان میں 2021 سے اب تک 44 خواجہ سرا خواتین کو قتل کیا جا چکا ہے۔

پاکستان آج نازک دورا ہے پر کھڑا ہے۔ ملک کے پاس دنیا کو یہ دکھانے کا موقع ہے کہ عرصہ دراز سے مصائب کے شکار مقامی لوگوں کا دفاع کرنے کا کیا مطلب ہے۔ اکتوبر 2022 میں وزیرِ اعظم کے اسٹریٹجک ریفارم یونٹ کی جانب سے شکایات کے پورٹل کا آغاز ایک خوش آئند اقدام تھا۔ تاہم، رجعت پسندانہ کارروائیاں جن کی بنیاد شواہد کے بجائے خوف پر ہے، جیسے کہ خواجہ سرا (حقوق کا تحفظ) قانون 2018 میں ترمیم کرنے کی کوششیں خاطر خواہ اعتماد پیدا نہیں کر سکتیں۔ اس طرح کی گمراہ کن مہمات کے نتیجے میں، خواجہ سراؤں کے حقوق سے متعلق صوبائی قانون سازی کا عمل غیر معینہ مدت کے لیے تعطل کا شکار ہے۔ 44 ملک میں خواجہ سراؤں کے حقوق کے محافظوں کو دی جانے والی دھمکیوں میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ 45 لفظ 'خواجہ سرا' خود پالیسی مکالموں میں ناپسندیدہ تصور کیا جانے لگا ہے۔

یہ ضروری ہے کہ حکومت پاکستان ان ترمیمی بلوں کو کالعدم قرار دے اور ایسے قانون کا تحفظ کرے جس نے دنیا کو واضح طور پر بتایا ہے کہ استعماری دور کی غلطی کے ازالے اور خواجہ سراؤں کے وقار کو بحال کرنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مؤثر نفاذ یقینی بنانے کے لیے، یہ ضروری ہے کہ صوبے خواجہ سرا لوگوں کے حقوق پر قانون سازی کریں۔ یہ اہم ہے کہ ان پالیسی اقدامات کے لیے شواہد، عالمی معیارات اور رہنما اصولوں کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں اپنائی گئی طبی قانونی روایات سے رہنمائی لی جائے۔ ایک ایسے وقت پر جب خواجہ سرا افراد کی زندگیاں، وقار اور سلامتی داؤ پر لگا ہوا ہے، ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر محفوظ برادری کی حفاظت کرے۔ سب سے بڑھ کر، پاکستانیوں کو دنیا کو دکھانا ہوگا کہ غیر یقینی کی صورت حال میں خوف اور نفرت کو جیتنے کا موقع دینے کی بجائے انہوں نے ہمدردی کا راستہ اختیار کیا ہے۔

عشق وہ کارِ مسلسل ہے کہ . . .

ڈاکٹر توصیف احمد خان

جنوبی پنجاب میں انسانی حقوق کی توانا آواز راشد رحمٰن ایڈووکیٹ کو 7 مئی 2017ء کو ان کے دفتر میں نامعلوم افراد نے فائرنگ کرکے قتل کردیا تھا۔

راشد رحمٰن کی والدہ اور دو بھائی قاتلوں کے احتساب کی آرزو لیے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ راشد رحمٰن آخری دنوں میں بہاؤ الدین ذکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ انگریزی کے اعانتی استاد کو انصاف دلانے کے لیے قانونی جنگ لڑ رہے تھے۔

راشد رحمٰن کے والد اشفاق احمد خان کا شمار جنوبی پنجاب میں بائیں بازو کے رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ انھوں نے 60 کی دہائی کے آخری عشرہ میں ملتان اور دیگر علاقوں میں مزدور کسان تنظیموں کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا، وہ مولانا بھاشانی کی قیادت میں قائم نیشنل عوامی پارٹی کے اہم رہنماؤں میں تھے۔

انھیں جنرل یحییٰ خان کے دورِ اقتدار میں مزدوروں کی حمایت کرنے پر فوجی عدالت نے سزا دی تھی۔ پھر وہ پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے، ذوالفقار علی بھٹو نے راولپنڈی میں جلسہ سے خطاب کے دوران انھیں ویت نام کا سفیر مقرر کرنے کا اعلان کیا تھا۔

راشد رحمٰن نے ابتدائی تعلیم ملتان میں حاصل کی۔ ان کے دادا اور والد وکیل تھے، یوں انھوں بھی قانون کی ڈگری لی اور ملتان میں پریکٹس شروع کردی۔ سینئر صحافی اور انسانی حقوق کی تحریک کو منظم کرنے میں فعال کردار ادا کرنے والے آئی اے رحمٰن نے لکھا ہے کہ 24 سال یا اس سے پہلے وہ عاصمہ جہانگیر کے ساتھ ملتان آئے۔

عاصمہ جہانگیر نے ملتان بار کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے نوجوان وکلاء سے استدعا کی کہ انسانی حقوق کی پاسداری کی تحریک میں کردار ادا کریں۔ راشد رحمٰن اس اجلاس میں موجود تھے۔ انھوں نے عاصمہ جہانگیر کی استدعا کی گہرائی کو محسوس کیا اور اپنی زندگی انسانی حقوق کی پاسداری کے لیے وقف کردی۔ راشد رحمٰن نے غریبوں کے لیے مفت قانونی سروس کا آغاز کیا۔

انھوں نے ہزاروں افراد کے انسانی حقوق کے تحفظ، خواتین کو انصاف دلانے، جبری مزدوری، قتل، کاروکاری، پسند کی شادی، شہریوں کے تعلیم اور صحت کے حق کو دلانے کے لیے قانونی چارہ جوئی ہی نہیں کہ بلکہ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی تاکہ حکمراں اپنی پالیسیوں میں تبدیلیاں کریں۔ راشد رحمٰن عدلیہ آزادی کی تحریک میں متحرک رہے، انھیں اٹک جیل میں نظر بند رکھا گیا۔

اس اسیری کے دوران راشد کی دل کی دھڑکنیں بے قابو ہوئیں۔ انھوں انجیوگرافی کرانی پڑی مگر راشد کے عزم کی بلندی میں فرق نہیں آیا۔ راشد رحمٰن کو بعض افراد نے جن میں کچھ وکلاء بھی شامل تھے بھری عدالت میں دھمکیاں دیں۔ راشد رحمٰن نے ملتان کے ضلعی پولیس افسران کو ای میل کے ذریعے مطلع کیا۔

چھوٹی عدالتوں میں زیر التواء مقدمات کی تعداد بھی لاکھوں کے قریب ہے۔ پولیس کی تفتیش کا نظام فرسودہ ہے۔ سینئر صحافیوں کا کہنا ہے کہ پولیس حکام بہت دفعہ قاتلوں کی سرپرستی کے مرتکب ہوتے ہیں اور تفتیش میں ایسی کمزوریاں چھوڑ دی جاتی ہیں جس کا فائدہ ملزمان کو ملتا ہے۔ ماتحت عدالتوں کے حالات تو انتہائی خراب ہیں۔ عمومی طور پر یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک جج کے ٹرانسفر یا ریٹائر ہونے کے مہینوں بعد دوسرے جج کا تقرر ہوتا ہے۔

راشد رحمٰن کے قتل کی پیپلز پارٹی اور دیگر جماعتوں کے عہدیداروں نے مذمت کی۔ بیرسٹر اعتزاز احسن نے اس وقت سینیٹ میں راشد رحمٰن کے لیے فاتحہ خوانی کی تجویز پیش کی اور سپریم کورٹ بار نے ایک دن کی ہڑتال کرائی۔ قومی رہنماؤں کے علاوہ انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں اور امریکا سمیت کئی ممالک نے راشد رحمٰن کے قتل کو پاکستان میں انسانی حقوق کی زبوں حالی سے تعبیر کیا۔

راشد رحمٰن انسانی حقوق کی تحریک کے ایک کارکن ہی نہیں بلکہ سپریم کورٹ کے وکیل بھی تھے۔ انھوں نے وکلاء تنظیم میں کردار ادا کیا تھا۔ اس وقت پاکستان کے چیف جسٹس افتخار چوہدری تھے۔

انھوں نے بہت سے چھوٹے بڑے معاملات پر ازخود نوٹس کا اختیار استعمال کیا مگر انھوں نے یا ان کے بعد آنے والے چیف جسٹس نے راشد رحمٰن کے قتل پر ازخود نوٹس کا اختیار استعمال نہیں کیا۔ ملتان پولیس نے حسب روایت راشد کے قتل کی تحقیقات کو فائلوں میں گم کردیا۔

جب سینیٹ کی انسانی حقوق کمیٹی نے راشد کی بہن لبنیٰ ندیم ایڈووکیٹ کی عرضداشت پر نوٹس لیا تو پولیس نے مؤقف پیش کیا کہ ایک ملزم پولیس مقابلہ میں ہلاک کردیا گیا ہے اور دوسرے دو ملزموں کا پتہ نہیں چل سکا، یوں راشد کے قاتل قانون کے مطابق سزا سے بچے چلے آرہے ہیں۔

راشد کی والدہ اور بھائی مایوسی کی صورتحال میں دنیا سے رخصت ہوئے، مگر راشد ایک اکیلے شہری نہیں ہیں، ایسے ہزاروں افراد ہیں جو بے گناہ قتل ہوئے ہیں۔ ہمارا پولیس سسٹم اور نظام انصاف ان افراد کے قتل کے ذمے دار افراد کا محاسبہ نہیں کرسکتا۔ وفاقی وزیر داخلہ رانا ثناء؟ نے ایک انٹرویو میں کہا کہ صرف سپریم کورٹ میں 32 ہزار کے قریب مقدمات التواء کا شکار ہیں۔ اسی طرح ملک کے چاروں صوبوں کے ہائی کورٹس میں زیرِ التواء مقدمات کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔

چھوٹی عدالتوں میں زیرِ التواء مقدمات کی تعداد بھی لاکھوں کے قریب ہے۔ پولیس کی تفتیش کا نظام فرسودہ ہے۔ سینئر صحافیوں کا کہنا ہے کہ پولیس حکام بہت دفعہ قاتلوں کی سرپرستی کے مرتکب ہوتے ہیں اور تفتیش میں ایسی کمزوریاں چھوڑ دی جاتی ہیں جس کا فائدہ ملزمان کو ملتا ہے۔ ماتحت عدالتوں کے حالات تو انتہائی خراب ہیں۔ عمومی طور پر یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک جج کے ٹرانسفر یا ریٹائر ہونے کے مہینوں بعد دوسرے جج کا تقرر ہوتا ہے۔

ایک طرف تو عام آدمی کے لیے انصاف کے حصول کی راہ میں بے تحاشا مشکلات ہیں تو دوسری طرف سپریم کورٹ بعض معاملات پر ازخود نوٹس لیتا ہے اور پھر ان مقدمات پر فوری طور پر فیصلے صادر کردیے جاتے ہیں، یوں عوام کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف امراء اور بالادست طبقات کے لیے انصاف کا حصول آسان ہے۔

گزشتہ 70 برسوں میں فوجی حکومتوں کا بھی طویل دور رہا۔ جمہوری حکومتوں کی حکمرانی رہی۔ ہر سیاسی جماعت اقتدار میں آنے سے پہلے اعلان کرتی ہے کہ چند دنوں سے پارلیمنٹ اور عدلیہ کی لڑائی بھی تیز تر ہوگئی ہے مگر اس لڑائی کی فوری انصاف کے حصول میں رکاوٹوں کو دور کرنے کا معاملہ شامل نہیں ہے۔

معروف شاعر رئیس فروغ کے یہ اشعار شاید راشد رحمٰن کے لیے ہی کہے گئے:

عشق وہ کارِ مسلسل ہے کہ ہم نے اپنے لیے
ایک لمحہ بھی پس انداز نہیں کرسکتے

(بشکریہ، ایکسپریس نیوز)

بلوچی ادب کا نمائندہ افسانہ

جہاد

تحریر: غنی پرواز

مترجم: طاہرہ حبیب

نبی داد صبح نو بجے سے اپنی دوکان پر بیٹھا تھا۔ لیکن اس کی توجہ اپنی دوکان سے زیادہ گل شیر کی دکان پر تھی کیونکہ اس کی دوکان پر صبح سے اِکادُکا گاہک ہی آیا ہوگا لیکن گل شیر کی دوکان پر تو گاہکوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ نبی داد پریشان تھا کہ وہ تقریباً بیس سال سے دوکانداری کر رہا ہے لیکن گل شیر کا کاروبار چھ سالوں میں ہی اس کے کاروبار سے زیادہ چمک اٹھا تھا۔

''خدا جانے گل شیر کے پاس ایسا کونسا جادو ہے کہ اس کی دوکان دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے''۔ نبی داد نے اپنے آپ سے پوچھا۔ حسد کی آگ میں جلتے ہوئے وہ تقابلی جائزہ لینے لگا کہ ہماری دوکانیں ایک ہی گلی میں ہیں، ایک ہی طرح کے سٹور ہیں۔ جنرل سٹور، آمنے سامنے واقع دوکانوں میں ہم ایک ہی طرح کا سودا سلف بیچتے ہیں۔ قیمتیں بھی ایک جیسی ہیں۔ لیکن لوگ میری دوکان کو نظرانداز کر کے گل شیر کی دوکان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اگر اس کا کاروبار اسی رفتار سے ترقی کرتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب مجھے اپنی دوکان شاید ہمیشہ کے لیے بند کرنا پڑے۔ مجھے کچھ کرنا ہوگا۔ یقیناً مجھے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا''۔

نبی داد نے ایک دن جب اسسٹنٹ کمشنر کو مقامی لیویز کے چیف اور سپاہیوں کے ساتھ گل شیر کی دوکان میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے سوچا یہاں کچھ ہونے والا ہے۔ اسسٹنٹ کمشنر گل شیر کو شراب اور ہیروئن کی سمگلنگ کے الزام میں گرفتار کر کے پولیس اسٹیشن لے گیا۔ اسے گل شیر کے خلاف تحریری شکایت ملی تھی۔ لیکن چند ہی گھنٹوں کے بعد گل شیر کو رہا کر دیا گیا کیونکہ اس کے خلاف ثبوت فراہم نہیں ہو سکے تھے۔ نبی داد اداس ہوگیا۔

کچھ دنوں کے بعد نام نہاد ڈاکو رمی نے گل شیر کو اس کی دوکان کے سامنے سے دن دیہاڑے اغواء کر لیا۔ رمی کو کسی نے بذریعہ فون اطلاع دی تھی کہ گل شیر کے پاس بہت نقدی موجود ہے اور اس کا اغواء برائے تاوان بہت آسانی سے ہوسکتا ہے۔ نبی داد کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ وہ سوچنے لگا پچھلی دفعہ تو گل شیر کی بچت ہوگئی تھی لیکن اب کی بار تو لازماً کچھ ہوگا۔ لیکن لوگوں کے ایک ہجوم نے رمی کا تعاقب کیا اور چند ہی لمحوں میں گل شیر کو آزاد کروالیا۔ نبی داد پہلے سے بھی زیادہ رنجیدہ ہوگیا۔

کچھ عرصہ ایسے ہی گزر گیا۔ رمضان کے دنوں کی بات ہے۔ نبی داد اپنی دوکان میں کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اچانک مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے ہونے والا اعلان اس کی سماعت سے ٹکرایا۔ ''مسلمان بھائیو! مجلسِ تحفظِ ختم نبوت نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم ذکریوں کو 'جعلی' حج کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اگر وہ حج کرنے کے لیے 'کوہِ نامراد'* پر پہنچنے کی کوشش کریں گے تو ان کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا جائے گا۔ رمضان کے مبارک مہینے کی 21 تاریخ کو مرکزی مسجد میں ایک مذہبی اجتماع کا انعقاد ہوگا اور 25 ویں روز کوہ مراد کو جانے والے تمام راستے بند کر دیئے جائیں گے اور جہاد شروع ہوجائے گا۔ تمام مسلمان بھائیوں سے التماس ہے کہ وہ اجتماع اور جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اپنا مذہبی فریضہ پورا کریں''۔

یہ اعلان سننے کے بعد نبی داد دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا اس کے چہرے پر کبھی خوشی اور کبھی اداسی کے تاثرات ابھرتے تھے۔ کبھی اس کا چہرہ روشن ہوجاتا اور کبھی ملول۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا لیکن بالآخر روشنی نے اندھیرے کو شکست دے دی۔

اس نے 20 رمضان کو اپنی دوکان بند کر دی اور اجتماع اور جہاد میں شرکت کی تیاری کرنے لگا اس نے نیا سفید سکارف خریدا، چند جوڑے کپڑوں کے دھو کر ساتھ لے جانے کے لیے تیار کئے، غسل کیا اور اپنی سفید مونچھوں کو سلیقے سے تراشا۔ اپنے بنا داڑھی کے چہرے کو دیکھ کر اسے آج بڑی شدت سے احساس ہوا کہ ایسے مبارک موقعوں کے لیے داڑھی کا ہونا کتنا ضروری ہے۔ اگلے دن جب اس نے موتیا رنگ کا لباس پہنا، سفید سکارف سر پر رکھا، سرمئی جوتے پہن کر اپنا عکس آئینے میں دیکھا تو اسے ایک بار پھر احساس ہوا کہ مذہبی اجتماع اور جہاد میں شرکت کے لیے سب لوازمات پورے ہیں سوائے داڑھی کے۔

25 رمضان کی شام یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ مولویوں کے ایک گروہ نے گل شیر کو اپنے چند رشتہ داروں کے ہمراہ کار میں بیٹھ کر کوہ مراد کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ ان مولویوں میں سے ایک نے گل شیر کی کار پر فائر کیا۔ گل شیر موقع پر جاں بحق ہوگیا اور اس کے پانچ رشتہ دار زخمی ہوگئے۔ مولویوں کا ہجوم اتنا بڑا تھا کہ فائر کرنے والے کی شناخت نہ ہوسکی۔ لیکن پھر بھی چند مولویوں کو ان کے گھروں میں نظر بند کر دیا گیا۔

چاندرات کو تمام مولوی رہا ہوگئے۔ گل شیر کی دوکان بند رہی اور نبی داد کی دوکان میں گاہکوں کا جمگھٹا لگا رہا۔ وہ انتہائی مصروف تھا۔ ایک طویل عرصے کے بعد آخر کار اسے دوکانداری کا حقیقی لطف محسوس ہو رہا تھا۔

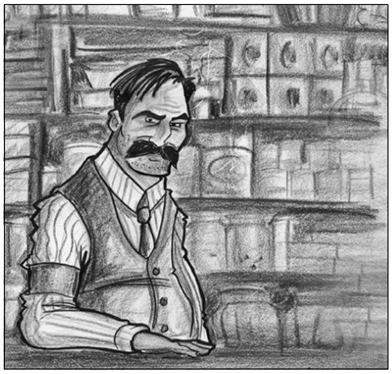

بلوچی زبان کے مایہ ناز افسانہ نگار غنی پرواز 15 اگست 1945 میں بلوچستان کے ضلع کیچ میں پیدا ہوئے۔ شعبہ تدریس میں بطور معلم کام کرتے رہے۔ انہوں نے افسانہ نگاری کا آغاز اردو زبان سے کیا لیکن اس کے بعد ان کے کئی ناول افسانوں کے مجموعے اور شاعری کے دو مجموعے بلوچی زبان میں شائع ہوئے۔ اگرچہ انہوں نے شاعری بھی کی اور سفرنامے بھی لکھے اور ناول بھی لکھے لیکن ان کی اصل پہچان ان کے افسانے ہیں۔ 2010ء میں ان کی ادبی خدمات کے صلے میں اُنہیں پرائیڈ آف پرفارمنس ایوارڈ سے نوازا گیا۔ 2016ء میں بلوچستان یونیورسٹی کے بلوچی ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے انہیں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دیا گیا۔ 2017ء میں پاکستان اکیڈمی آف لیٹرز کی طرف سے انہیں نیشنل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ پروفیسر غنی پرواز نے دو ادبی تنظیموں کی بنیاد رکھی ایک کا نام ادبی کاروان اور دوسرے کا نام بلوچستان اکیڈمی ہے۔

* کوہ سلیمان تربت، بلوچستان میں واقع ذکریوں کا مقدس مقام ہے۔ ہر سال رمضان کے دوران ذکری فرقہ کے لوگ سالانہ حج کے لئے کوہِ مراد جاتے ہیں۔ یہاں بوجہ تضحیک اسے کوہِ نامراد کہا گیا ہے۔

آنکھوں کا نور بانٹنے والے مسیحا ڈاکٹر بیربل گینانی کا قتل

سدرہ ڈار

"جب 1947 میں تقسیم ہو رہی تھی تو اس وقت جنہوں نے جانا تھا وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر چلے گئے تھے لیکن ہم جو بیٹھے ہوئے تھے۔ ہماری یہی سوچ تھی کہ ہمارا جینا مرنا تو یہیں پر ہے تو میرے والد بتاتے ہیں کہ ہمارے پڑوسیوں نے ہماری حفاظت کی۔ وہ لوگ ڈنڈے لے کر ہمارے گھر کے دروازے کے باہر ہوتے تھے کہ کوئی ہمیں نقصان نہ پہنچائے۔"

یہ کہنا تھا معروف ماہر چشم ڈاکٹر بیربل گینانی کا جنہیں جمعرات کی شام ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں نامعلوم افراد نے اس وقت قتل کر دیا جب وہ اپنے کلینک سے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

عینی شاہدین کے مطابق گاڑی پر فائرنگ کا واقعہ افطار سے کچھ دیر قبل ہوا تھا۔

پاکستان کے قیام کے 75 سال مکمل ہونے پر وائس آف امریکہ کی جانب سے اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی مختلف شخصیات کے انٹرویوز کیے جا رہے تھے۔ ان میں ایک نام 62 سالہ ماہرِ چشم ڈاکٹر بیربل گینانی کا بھی تھا۔ یہ 21 جون 2022 کی شام تھی جب میری ان سے پہلی ملاقات ان کی کلینک پر ہوئی۔

آدھے گھنٹے کے اس انٹرویو میں، جس کا موضوع 'ہم نے ہجرت کیوں نہیں کی' تھا، ڈاکٹر بیربل کی تمام تر گفتگو پاکستان سے شروع ہو کر اسی پر تمام ہوئی جس وقت ہم ان کا انٹرویو کر کے نکلے تو ان کے کلینک میں بہت سے ایسے مریض بیٹھے ہوئے تھے جو مفت علاج کی غرض سے ان تک پہنچے تھے۔

ایک پرائیویٹ کلینک میں بھی ایسے مریض اگر آ جائیں تو وہ ان سے فیس وصول نہیں کرتے تھے بلکہ ادویات بھی اپنے پاس سے دے دیتے تھے جو ہر وقت ان کی گاڑی میں رکھی ہوتی تھیں۔

پاکستان میں اقلیتوں کو حاصل ہونے والے تحفظ پر ڈاکٹر بیربل کا کہنا تھا 'چھوٹے موٹے واقعات تو ہر جگہ ہوتے ہیں اگر صرف دہشت گردی کی ہی بات کر لی جائے تو پاکستان میں سب سے زیادہ نشانہ مسلمان ہی بنے ہیں مساجد تک میں دھماکے ہوئے ہیں لیکن یہ کہنا کہ اقلیت غیر محفوظ ہے یہ درست نہیں یہ ہمارا وطن ہے اور اتنا ہی ہے جتنا مسلمانوں کے لیے ہے۔"

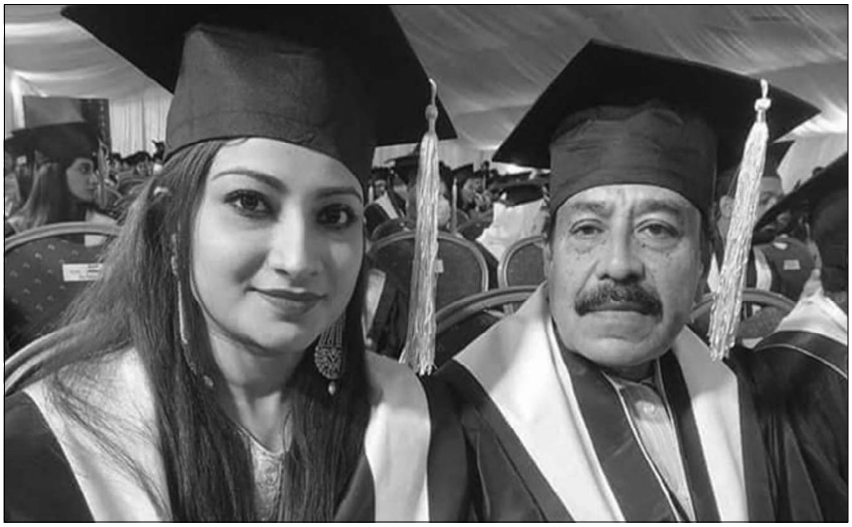

مثبت سوچ رکھنے والے ڈاکٹر بیربل کا تعلق صوبہ سندھ کے ضلع سانگھڑ سے تھا۔ وہ اسپنسر آئی اسپتال کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ بھی رہے۔ آنکھوں کے اس اسپتال میں کئی شعبے فنڈز کی کمی کے سبب ایک طویل عرصے تک غیر فعال رہے لیکن ڈاکٹر بیربل گینانی کی کاوشوں کے ذریعے اس اسپتال کے وہ تمام یونٹس پھر سے کام کرنے لگے جن کے بارے میں یہ تصور کر لیا گیا تھا کہ شاید ہی وہ کبھی اپنی پہلی جیسی حالت میں واپس آ سکیں۔

ڈاکٹر بیربل نے پاکستان میں قرنیا کی پیوند کاری کا پروگرام روٹری اور سری لنکا کے تعاون سے دوبارہ شروع کیا جس کے سبب ہزاروں افراد کو بینائی کی نعمت ملنے لگی۔ ڈاکٹر بیربل اپنے آبائی علاقے سانگھڑ اور اس کے نواحی علاقوں کے ساتھ صوبے کے مختلف پسماندہ علاقوں میں فری کیمپس بھی لگاتے تھے۔ جہاں سینکڑوں ضرورت مند مریضوں کی آنکھوں کا علاج مفت کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ادویات اور چشمے فراہم کر کے دعائیں سمیٹتے تھے۔

ڈاکٹر بیربل نے پاکستان میں قرنیا کی پیوند کاری کا پروگرام روٹری اور سری لنکا کے تعاون سے دوبارہ شروع کیا جس کے سبب ہزاروں افراد کو بینائی کی نعمت ملنے لگی۔

ڈاکٹر بیربل اپنے آبائی علاقے سانگھڑ اور اس کے نواحی علاقوں کے ساتھ صوبے کے مختلف پسماندہ علاقوں میں فری کیمپس بھی لگاتے تھے۔ جہاں سینکڑوں ضرورت مند مریضوں کی آنکھوں کا علاج مفت کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ادویات اور چشمے فراہم کر کے دعائیں سمیٹتے تھے۔

کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن (کے ایم سی) کے سینئر ڈائریکٹر میڈیکل اینڈ ہیلتھ سروسز ہونے کے ناطے انہوں نے کے ایم سی کے زیرِ نگرانی ایسے اسپتال جہاں فنڈز کی کمی کے سبب حالات مخدوش تھے وہاں مریضوں کے لیے ادویات کی فراہمی کو آسان بنایا۔

اپنے انٹرویو کے دوران انہوں نے بتایا تھا کہ ان کے بیٹے بیرون ملک مقیم ہیں، وہ جب بھی ان سے ملنے جائیں تو ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد وطن واپس آئیں کیوں کہ ان کے دل و دماغ میں یہ بات بسی ہوئی ہے کہ پاکستان نے انہیں بہت کچھ دیا ہے اب ان کے لوٹانے کا وقت ہے جو وہ ضرورت مندوں کو مفت علاج کر کے ہی لوٹا سکتے ہیں۔

ان کی خواہش تھی کہ وہ ایک ایسا آنکھوں کا اسپتال بنائیں جہاں صرف صوبے سے نہیں ملک بھر سے لوگ مفت اور معیاری علاج کی غرض سے آ سکیں۔

وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر بیربل کی صاحب زادی ڈاکٹر سپنا کماری کا کہنا تھا کہ یہ وقت ان کے خاندان پر بہت کٹھن ہے۔ ان کے والد کا پوسٹ مارٹم مکمل ہو چکا ہے اور ان کے جسد خاکی کو گھر لے جانے کی اجازت مل چکی ہے۔ یہ قتل کیوں کیا گیا اور اس کے پیچھے کیا محرکات ہیں اس پر پولیس ہی صحیح جواب دے سکتی ہے۔ انہوں نے آج اپنا باپ کھویا ہے اور یہ نقصان ناقابل تلافی ہے۔

ڈاکٹر بیربل نے حال ہی میں اپنی بیٹی کے ساتھ جناح سندھ میڈیکل یونیورسٹی سے ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی تھی وہ مستقبل میں پی ایچ ڈی کرنے کے خواہشمند بھی تھے۔

سلمیٰ کوثر جو عباسی شہید اسپتال کی ایم سی کی سابقہ سینئر ڈائریکٹر میڈیکل ہیلتھ رہی ہیں، ان کے لیے ڈاکٹر بیربل کے قتل کی خبر حیران کن تھی۔ وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ میں ڈاکٹر بیربل کو 1983 کے اس زمانے سے جانتی ہوں جب وہ سندھ میڈیکل کالج میں میرے سینئر تھے۔

ان کے بقول انہوں نے ڈاکٹر بیربل کے ساتھ کام کیا اور 10 برس وہ ان کے ماتحت بھی رہے۔

ان کا کہنا تھا کہ بحیثیت انسان وہ ایک ملنسار اور رحم دل مسیحا تھے۔ انہوں نے کبھی بھی انہیں سخت ایڈمنسٹریٹر کے طور پر نہیں دیکھا ان کے تعلقات سب کے ساتھ اچھے رہے۔

سلمیٰ کوثر کا مزید کہنا تھا وہ کبھی بھی متعصب نہیں رہے نہ ہی انہیں کبھی مذہب کے بارے میں کوئی بات کرتے یا اس پر رائے دیتے سنا ہوگا۔ وہ سب کے عقائد اور مذاہب کا احترام کرنے والے شخص تھے۔

ان کا کہنا تھا کہ جب ڈاکٹر کے قتل کی خبر ملی تو ان کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ یہ معاملہ مذہبی بنیاد پر نہیں ہوسکتا کیوں کہ ڈاکٹر بیربل اس قسم کے انسان تھے ہی نہیں کہ انہیں مذہب کی بنیاد پر ٹارگٹ کیا گیا ہو۔

'اس قتل کو براہ راست مذہبی رنگ دینا درست نہیں'

اقلیت سے تعلق رکھنے والے سیاست دان رمیش کمار نے وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر بیربل نے جس طرح سے مخیّر حضرات کے تعاون سے اسپنسر آئی اسپتال میں قرنیا ٹرانسپلانٹ پروگرام دوبارہ بحال کیا، یہ کم ہی معالجین کر پاتے ہیں۔ وہ لوگوں کے لیے بے لوث خدمت کا جذبہ رکھتے تھے۔

رمیش کمار کے مطابق انہیں ڈاکٹر بیربل کے قتل پر خاصی تشویش ہے اور انہوں نے اس سلسلے میں آئی جی سندھ غلام نبی میمن سے بات کی ہے کہ وہ اس واقعے کی جلد از جلد تحقیقات کریں۔

رمیش کمار کا کہنا تھا کہ اس قتل کو براہ راست مذہبی رنگ دینا درست نہیں ہے، جب تک تفتیش مکمل نہیں ہو جاتی کسی نتیجے پر پہنچنا ٹھیک نہیں ہوگا۔

انہوں نے حیدرآباد میں ڈاکٹر دھرم دیو پر ہونے والے تشدد کے واقعے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس پر بھی جب پولیس نے تفتیش کی تو محرکات پیسے کے لین دین کے سامنے آئے تھے لیکن تب تک اس واقعے کو بھی مذہبی رنگ دے کر سوشل میڈیا پر اچھالا گیا۔ ایک ایسے وقت میں جب پاکستان ایک مشکل وقت سے گزر رہا ہے اس میں پیش آنے والے دہشت گردی اور جرائم کو مذہب سے جوڑنا تحقیقات کو بھی متاثر کرسکتا ہے۔

ڈاکٹر بیربل پر جس وقت حملہ ہوا اس وقت ان کے ہمراہ ان کی اسسٹنٹ نرس قرۃ العین بھی کار میں سوار تھی۔ فائرنگ کے نتیجے میں قرۃ العین بھی زخمی ہوئیں جنہوں نے طبی امداد کے بعد پولیس کو بیان دیا کہ وہ 10 برس سے ڈاکٹر بیربل کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ واقعے کے وقت وہ رام سوامی سے پاک کالونی کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک نامعلوم افراد نے ان پر فائرنگ کی۔ اُس لمحے ان کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی گزریں اور چند سیکنڈ بعد دیکھا تو مجھے گولی لگی تھی اور ڈاکٹر بیربل کے سر سے خون بہہ رہا تھا جس کے بعد میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر مدد کے لیے شور مچایا۔

میڈیا سے بات کرتے ہوئے ایس ایس پی سٹی عارف عزیز کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر بیربل کو سر میں دو گولیاں لگیں جب کہ جائے وقوعہ سے نائن ایم ایم پستول کے خول برآمد کر لیے گئے ہیں۔ بظاہر یہ واقعہ ٹارگٹ کلنگ کا لگتا ہے لیکن جب تک تحقیقات مکمل نہ ہو جائیں تب تک کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا یہ قتل کسی دشمنی کے نتیجے میں ہوا یا اس کی وجہ کچھ اور ہے۔

پولیس کے مطابق ڈاکٹر بیربل رام سوامی میں اپنا کلینک چلا رہے تھے۔ وہ گلشن اقبال اپنے گھر جانے کے لیے لیاری ایکسپریس وے گارڈن انٹرچینج کا راستہ استعمال کرتے تھے جہاں موٹر سائیکل سواروں نے انہیں فائرنگ کا نشانہ بنایا۔

واقعے کے فوراً بعد ینگ ڈاکٹرز ایسوسی ایشن کے عہدیداران کا جناح اسپتال میں ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا جس میں سندھ بھر میں تین روزہ سوگ کا اعلان کیا گیا۔

جنرل سیکریٹری وائی ڈی اے ڈاکٹر محبوب علی نوناری کا کہنا تھا کہ جمعے سے اتوار کے روز تک سندھ بھر کے اسپتالوں میں ڈاکٹرز سیاہ پٹیاں باندھ کر یوم سیاہ منائیں گے۔

انہوں نے آئی جی سندھ سے ڈاکٹر بیربل کے قتل میں ملوث افراد کو فوری گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا اور اعلان کیا کہ اگر 48 گھنٹوں میں قاتل گرفتار نہ ہوئے تو سندھ بھر کے اسپتالوں میں تمام شعبوں کا بائیکاٹ کر دیا جائے گا۔

(بشکریہ وائس آف امریکہ)

انہوں نے حیدرآباد میں ڈاکٹر دھرم دیو پر ہونے والے تشدد کے واقعے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس پر بھی جب پولیس نے تفتیش کی تو محرکات پیسے کے لین دین کے سامنے آئے تھے لیکن تب تک اس واقعے کو بھی مذہبی رنگ دے کر سوشل میڈیا پر اچھالا گیا۔ ایک ایسے وقت میں جب پاکستان ایک مشکل وقت سے گزر رہا ہے اس میں پیش آنے والے دہشت گردی اور جرائم کو مذہب سے جوڑنا تحقیقات کو بھی متاثر کرسکتا ہے۔

ایچ آر سی پی کا میڈیا مانیٹرنگ تجزیہ (جنوری سے مارچ 2023)

مختصر تعارف

ایچ آر سی پی نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں جیسے کہ صنف کی بنیاد پر تشدد یا پولیس کے مظالم سے متعلق کوائف اکٹھا کرنے، ان کی درجہ بندی کرنے اور آن لائن دستیابی یقینی بنانے کے لیے 15 اخبارات اور 2 نئی ویب سائٹس پر نظر رکھی۔ ایچ آر سی پی کو ذرائع ابلاغ سے موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق، جنوری سے مارچ 2023 کے دوران انسانی حقوق کی زیادہ تر خلاف ورزیاں جنسی تشدد سے متعلق تھیں۔ 378 ایسے واقعات رپورٹ ہوئے، جس کے بعد 351 واقعات خودکشی سے متعلق تھے۔ ہماری تمام اطلاعات میں یہی رجحان دیکھا گیا۔

قانون کا نفاذ

☆ زیر مطالعہ عرصہ کے دوران، اطلاعات کے مطابق، 42 واقعات میں 54 مردوں اور ایک خواجہ سرا کو سزائے موت سنائی گئی۔ اگر ذرائع ابلاغ کی ماضی کی اطلاعات سے موازنہ کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ کسی بھی ایک برس میں چار ماہ کے دوران سزائے موت کے سب سے زیادہ کیسز تھے۔ (جدول 1 ملاحظہ کریں)

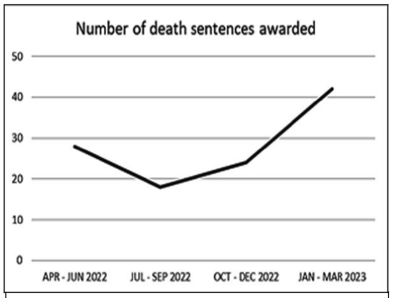

جدول۔1

☆ توہین رسالت کے الزامات میں دی گئیں سزائے موت کے علاوہ، باقی تمام مقدمات ایسے تھے میں جن میں ملزموں پر قتل کا الزام تھا۔

امن عامہ

☆ ایچ آر سی پی نے پولیس کی زیادتیوں کے 29 واقعات قلمبند کیے جن میں دوران حراست موت، دوران حراست تشدد، حراست سے باہر قتل اور طاقت کا غیرضروری استعمال شامل تھا۔ دو بچوں سمیت کم از کم 36 افراد ان زیادتیوں کا نشانہ بنے۔ ایسے ایک واقعے میں، رضویہ سوسائٹی انڈر پاس کراچی، سندھ میں پولیس کے اشارے میں موٹر سائیکل نہ روکنے پر ایک 15 سالہ غیر مسلح لڑکے کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا۔

☆ پولیس مقابلوں کے 92 واقعات رپورٹ ہوئے جن میں کم از کم 146 افراد قتل ہوئے۔ ایسے زیادہ تر واقعات پنجاب سے رپورٹ ہوئے۔

کمزور طبقوں کے خلاف تشدد

☆ اس عرصہ کے دوران، گھریلو تشدد کے کم از کم 36 واقعات رپورٹ ہوئے (جدول 2 ملاحظہ کریں)۔ کم از کم 37 عورتیں اور تین لڑکیاں تشدد کا نشانہ بنیں۔

جدول۔2

☆ 72 فیصد واقعات میں، مجرم متاثرہ فرد کا خاوند یا سابقہ خاوند تھا۔

☆ اس عرصہ کے دوران، 'عزت' کے نام پر جرم کے کم از کم 59 واقعات پیش آئے جن میں 74 افراد نشانہ بنے (جدول 3 اور 4 ملاحظہ کریں)۔ متاثرین میں کم از کم چار عورتیں شامل تھیں۔

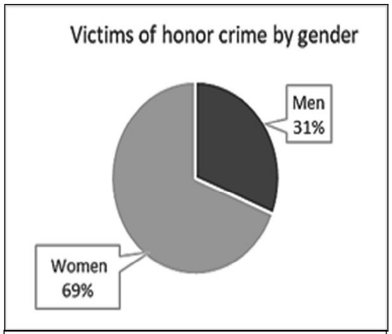

جدول۔3

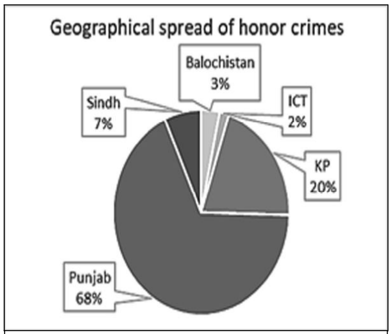

جدول۔4

☆ اس عرصہ کے دوران، جنسی تشدد کے 378 واقعات رپورٹ ہوئے۔ کم از کم 35 واقعات آن لائن ہراسانی، 91 اجتماعی جنسی تشدد، 50 ہراسانی اور 91 جنسی تشدد کے رپورٹ ہوئے۔

☆ ایچ آر سی پی نے خواجہ سرا افراد کے خلاف جنسی تشدد کے تین واقعات قلمبند کیے۔ یہ جنسی زیادتی اور اجتماعی جنسی زیادتی سے متعلق تھے (جدول 5 ملاحظہ کریں)۔

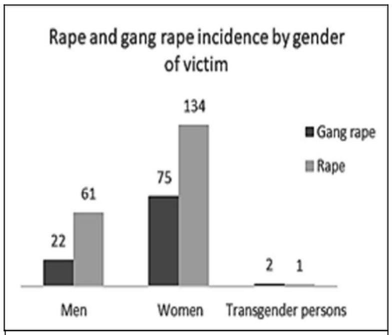

جدول۔5

جنسی تشدد کے لگ بھگ 40 فیصد متاثرین بچے تھے (جدول 6 ملاحظہ کریں)۔ کم از کم 14 واقعات ایسے رپورٹ ہوئے جن میں بچوں کو جسمانی سزا کا نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں پانچ بچے ہلاک ہوگئے تھے۔ پانچ متاثرین گھریلو ملازم کے طور پر کام کر رہے تھے۔ فیصل آباد سے کمسنی کی شادی کا بھی کم از کم ایک واقعہ رپورٹ ہوا۔

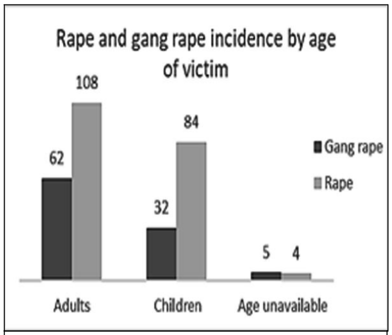

جدول۔6

صحت

☆ اس عرصہ کے دوران، اطلاعات کے مطابق، خودکشی کے 351 واقعات رپورٹ ہوئے جن میں سے 61 اقدام خودکشی کے تھے۔ ان واقعات میں 247 مرد، 82 عورتیں اور دو خواجہ سرا افراد شامل تھے۔ متاثرین میں 21 بچے بھی شامل تھے۔

☆ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہندو متاثرین سے متعلق خودکشی کے واقعات میں ایک استثنیٰ کے علاوہ، تمام واقعات سندھ سے رپورٹ ہوئے، اور یہ صوبے میں ایسے واقعات کا 40 فیصد تھے۔

شونٹر استور میں جاں بحق ہونے والے خانہ بدوش خاندان

اسرار الدین اسرار

گلگت بلتستان ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی نے سانحہ شونٹر کی تفصیلی رپورٹ جاری کردی ہے جس میں کئی خانہ بدوش خاندان متاثر ہوئے ہیں۔

برفانی تودہ گرنے کا واقعہ 26 مئی سہ پہر چار بجے شونٹر استور کے پرخطر مقام پر پیش آیا تھا جس کی زد میں آنے والے گجر بکروال برادری کے افراد کشمیر سے استور کی طرف آ رہے تھے۔ اس واقعے میں کل 11 افراد جاں بحق جبکہ 13 افراد زخمی ہوئے ہیں، جی بی ڈی ایم اے کے مطابق واقع میں جاں بحق 11 افراد میں سے 8 کی لاشیں نکال لی گئی ہیں باقی کی تلاش جاری ہے۔ زخمی افراد میں سے 12 کی حالت نازک بتائی جاتی ہے جو کہ علاج کے لئے ڈسٹرکٹ کوارٹر اسپتال استور منتقل کردئے گئے ہیں۔ جی بی ڈی اہم اے کے مطابق ریسکیو کے لئے آرمی ایویشن کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ تاہم موسم کی خرابی کی وجہ سے ریسکیو آپریشن شروع نہیں کیا جاسکا ہے۔ گلگت، استور اور اسکردو کے اسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی ہے۔

عام لوگوں کے لئے یہ محض ایک حادثہ ہے لیکن خانہ بدوشوں کی زندگیوں سے متعلق معلومات رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ یہ حادثہ ان تمام مصائب کے سلسلے کی ایک جھلک ہے جو خانہ بدوش افراد صدیوں سے سامنا کرتے رہے ہیں۔

شونٹر استور کا واقع حکمرانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ملکی سطح پر خانہ بدوش افراد کی رجسٹریشن، ان کے بچوں کی تعلیم و صحت، باعزت روزگار سمیت دیگر حقوق کی فراہمی کے لئے قانون سازی کی جائے تا کہ ان کو انسانی آبادی کا حصہ بن کر۔زندگی گزارنے کا موقع مل سکے۔

گراس روٹ آرگنائزیشن فار ڈیولپمنٹ آف ہیومن (گوڈھ) کے مطابق پاکستان میں خانہ بدوش افراد کی کل تعداد ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔جن کا مستقل گھر یا ٹھکانہ نہیں ہونے کی وجہ سے نادرا کے پاس ان کی رجسٹریشن اور ڈیٹا نہیں ہے۔یہ افراد پاکستان کے چاروں صوبوں، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں موسم کے حساب سے ہجرت کرتے رہتے ہیں۔ان کی رجسٹریشن نہیں ہونے کی وجہ سے ان کو شناخت، صحت، تعلیم، انصاف سمیت ہر طرح کی سہولیات سے محرومی کا سامنا ہوتا ہے۔خاص طور سے ان کے بچے، خواتین، بزرگ اور افراد باہم معذوری انتہائی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔

پاکستان کے مختلف مقامات پر ان کو مختلف ناموں سے پہچانا جاتا ہے۔گجر بکروال، جاٹ، کوچی، موہان وغیرہ جیسے نام ان کے لئے مختص ہیں۔ پشاور میں ان کو چنگڑیان، ملاکنڈ میں کڈوال، ڈیرہ اسماعیل خان میں قلفی والے وکیٹھل، کوہاٹ میں مصلی و چواڑیان، بنوں میں 'کوٹاڑی جبکہ ہزارہ میں بھنگی کہا جاتا ہے۔

ان کی تعداد کی درست معلومات اس لئے نہیں ہے کیونکہ ان کا نہ تو ایک ایڈریس ہے، نہ رجسٹریشن اور نہ ہی کے پاس قومی شناخت کارڈ ہوتا ہے۔

یہ لوگ صدیوں سے ایک جگہ سے دوسری جگہ موسم کے اعتبار سے ہجرت کرتے،، بکریاں پالنے، سونا نکالنے، بندر تماشا لگانے، بھیک مانگنے سمیت اپنی زندگی گزارنے کے لئے مختلف قسم کے طریقے اپناتے ہیں۔

پاکستان اور بالخصوص کشمیر اور گلگت بلتستان میں خانہ بدوشوں کی زندگی انتہائی کسمپرسی کا شکار ہے۔ان کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لئے حکومتی سطح پر آج تک کوشش نہیں کی گئی ہے۔یہ لوگ شیلٹر، صحت، تعلیم اور باعزت روزگار کے حقوق سے محروم ہونے کے علاوہ ایسے حادثات کا شکار ہوجاتے ہیں جن میں کئی بچے، خواتین اور بزرگ افراد لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔حالیہ شونٹر کا واقع بھی ایک دلخراش واقع ہے۔ان کو اب روایتی روٹس پر سفر کے دوران سیکورٹی کلیرنس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے منفی رویے اور سب سے بڑھ دشوار گزار راستوں میں موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے رونما ہونے والے قدرتی آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔لیکن سب سے بڑھ کر، اب ان کو دشوار گزار راستوں میں موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے رونما ہونے والے قدرتی آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ اپنے صدیوں پرانے روایتی روٹس کا انتخاب کرنا تو جانتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے ہیں کہ دنیا بھر میں موسمیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے وہ روٹس ان کے لئے اب جان لیوا ثابت ہورہے ہیں۔

شونٹر استور کا واقع حکمرانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ملکی سطح پر خانہ بدوش افراد کی رجسٹریشن، ان کے بچوں کی تعلیم وصحت، باعزت روزگار سمیت دیگر حقوق کی فراہمی کے لئے قانون سازی کی جائے تا کہ ان کو انسانی آبادی کا حصہ بن کر۔زندگی گزارنے کا موقع مل سکے۔دنیا کے کئی ممالک نے خاندانہ بدوشوں کے لئے بہت ہی موثر پالیسیاں بنا کر ان کو معاشرے معزیز شہری بننے کے مواقع فراہم کردیئے ہیں۔ہمارے ہاں یہ خانہ بدوش اب بھی انسانوں کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔اس لئے ان کے دکھ، تکلیفات اور مشکلات سے معاشرے کے عام لوگ ناواقف نہیں ہیں۔

ہم شونٹر استور کے واقع میں جاں بحق ہونے والے خانہ بدوش افراد کے لواحقین سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔حکومت کو چاہئے کہ زخمیوں کے علاج میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھی جائے اور ان کے بچے، خواتین اور دیگر افراد کے لئے ایک قابل ذکر پیکیج کے تحت ہر طرح کی سپورٹ فراہم کی جائے۔

محمد خان احمدانی: وہ کبھی بھی خفا نہ ہوا

رمضان شورو

میں نے پہلی مرتبہ اس کو ٹھٹہ سیمنٹ فیکٹری میں دیکھا تھا، جہاں میں اپنے رشتے دار کو ملنے گیا تھا جو کہ اسی ماہ فیکٹری میں لگا تھا، وہ اس کا روم میٹ تھا، ان کے کمرے میں ایک ٹیبل تھا جس پر روشنی کے لیئے ایک لیمپ تھا اور پورا ٹیبل لال کتابوں سے بھرا پڑا تھا۔ایسی کتابیں میں نے پہلے کہیں بھی نہیں دیکھی تھی تو میں ان کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اس نے میری دلچسپی کو دیکھ کر ایک کتاب مجھے بھی دی۔ یہ جنرل ضیاء الحق کا سیاہ ترین دور تھا جس میں لال کتاب رکھنے سے لیکر دیوار پر چاکنگ اور ہینڈبل لکھنا بہت بڑا جرم ہوتا تھا، ممنوعہ بور کے ہتھیار رکھنے پر زیادہ سے زیادہ 3 سال قید بامشقت سزا ہوتی تھی، وہ سمری ملٹری ٹرائل تھا جب کہ لال کتاب، ہینڈبل یا چاکنگ کرنے کا مقدمہ اسپیشل ٹرائل ہوتا تھا جس میں کم از کم 7 سال قید بامشقت سزا ہوتی تھی۔ضیاء الحق نے اپنے دور میں پورے ملک میں ملٹری کورٹس قائم کی تھیں جن میں دو کیٹگریز رکھی گئی تھیں ایک سمری ملٹری کورٹ اور دوسری اسپیشل ملٹری کورٹس ہوتی تھیں۔اس دوران اس نے مجھے کتاب لیکر جانے تک اس کو گھر جا کر پڑھنے کو کہا تھا اور میں نے بھی ویسے ہی کیا، کچھ دنوں کے بعد ان کے ساتھیوں نے مجھ سے سلام دعا بڑھانا شروع کردی تھی۔ میں بھی ان کو دلچسپی سے لیتا تھا، اس لیے کہ وہ کچھ الگ تھے ان کے کام، ان کی باتیں ان کے پروگرام، چھپتے چھپاکے دیواروں پے مارشل لا مردہ باد لکھنا یہ سب کچھ الگ تھا اور میری ان لوگوں سے قربتیں بڑھنے لگیں اور اس وقت کیا لک تنظیم کے غلام رسول سوہو میرے دوست ہوگئے اور دوستی میں چلتے چلتے وہ ایک مرتبہ وطن دوست بالک تنظیم کے مرکزی صدر جمن ساریو کو میرے پاس لے آئے میں نے ان کو شاگردی کے دورے حالت کے مطابق چائے بسکٹ سے تواضع کیا تھا۔ چائے پینے کے فوری بعد وہ وہاں سے اٹھ گئے، لیکن اب میرا ان لوگوں سے اٹھنا بیٹھنا شروع ہوگیا تھا لیکن میں ابھی ان کا ممبر نہیں بنا تھا اور نہ ہی انہوں نے مجھے ممبر بننے کی جلدی میں کوئی پیشکش کی۔اس دوران میں جن رشتیداروں کے گھر میں تعلیم کی حاصلات کے لیے رہتا تھا انہوں نے مجھے کہا کہ تمہاری جو سرگرمیاں ہیں وہ ہمیں پریشان کر رہی ہیں۔تم ایک دو بار ایم آر ڈی میں جیل بھی جا چکے ہو اور اب بھی تم اس طرح کے دوستوں کے ساتھ چل رہے ہو۔ یہ طریقہ درست نہیں، ان لوگوں کی دوستی چھوڑ دو یا ہمارا گھر چھوڑ دو۔ ان کے الفاظ میں سختی تھی اور میں نے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا، بابا سے پوچھے بغیر جس نے مجھے یہاں تعلیم کی حاصلات کے لیے چھوڑا تھا، اب میرے پاس اس لیے کوئی گنجائش نہیں تھی کہ 10 مئی 1984 کو میرے فرسٹ ایئر کے امتحانات شروع ہونے والے تھے جن میں باقی 15 دن تھے تو میں اپنے دوست غلام رسول سوہو کے پاس کتابیں اٹھا کر چلا آیا اس نے مجھے اپنے بڑے بھائی اسمائیل سوہو کی اوطاق پے ٹھہرایا جہاں میرے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام کیا گیا تھا اور اسمائیل سوہو کی بیٹی ہیر سوہو جو اس وقت ایم پی اے ہے وہ اور شاید ماروی بھی وہ میرے لیے کھانا لیکر آتی تھی، میں امتحانات کی تیاری کر رہا تھا تو اس وقت سجاول کالج میں ایک قوم پرست جماعت کی طلبا تنظیم کے کارکنوں نے جیئے سندھ پروگریسو اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک رہنماء پر سخت تشدد کیا تھا جو کہ اس وقت کے پروگریسو اسٹوڈنٹس کے صدر ابراہیم سوہو کے لیئے بڑا چیلنج تھا۔اس نے یہ پروگرام بنایا کہ جس دن آخری پرچہ ہو جائیگا اس دن ٹکراؤ کرائے گیں۔اس کام کے لیئے پارٹی نے خیرپور کے سپیریئر سائنس کالج سے خادم پھلپوٹو کو بھی میرپور بٹھورو بھیجا تھا۔ جو اس وقت ہمارے ساتھ تھا، جب وہ آیا تو ہمیں ابراہیم بھی ٹائم دے رہے تھے، کھانا پینا شام کو چکر لگانا سب کچھ ساتھ ہوگیا اور میں ان کے بہت ہی قریب جا چکا تھا کہ 8 مئی 1984 کو آیف آئی اے کے میجر غفور کی سربراہی میں سول وردی میں ایف آئی اے کے اہلکاروں اور پولیس کی بھاری نفری نے ہمیں گھیر لیا اور 12 لوگوں کو گرفتار کرکے پولیس اسٹیشن میرپور بٹھورو لے آئے جہاں کافی چھان بین کے بعد باقی لوگوں کو چھوڑ کر ہم 4 لوگوں کو جن میں ابراہیم سوہو، خادم پھلپوٹو، نصیر سوہو اور مجھے میرپور بٹھورو سے ٹھٹہ پولیس اسٹیشن لے گئے جب کہ اسمائیل سوہو کو تھانے پر بلا کر گرفتار کر کے ہمارے ساتھ ٹھٹہ لے آئے، اس کے بعد کیا ہوا وہ الگ ہے۔

لیکن محمد خان احمدانی ہم سے جیل میں ملنے آتے تھے اور آخر تک جب ہم آزاد ہوئے، پارٹی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی، سویت یونین ٹوٹ گیا بڑی بڑی دعوے کرنے والے لوگ پتا نہیں کہاں رک گئے لیکن یہ چلتا رہا، وہ ہی ایک معمولی بغیر زپ کے پرانا والا بیگ اس میں بھی لال کتابیں، پرولتاریہ

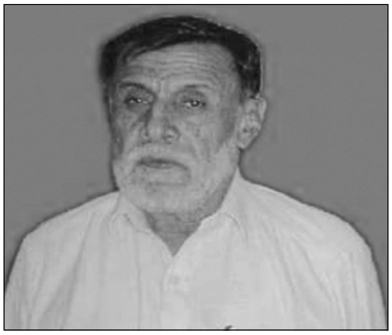

پرولتاریہ کرتے کرتے چلتا رہا، وہ کپڑوں کے بھی بہت مختصر جوڑے رکھتا تھا، تولیہ اور صابن اس کے پھٹے ہوئے بیگ میں پڑے رہتے تھے۔ بوٹ بھی وہ نارمل کہیں سے پھٹا ہوا کہیں سے چتی لگی ہوئی وہ جو کھانے پینے کا بھی شوقین نہیں تھا۔ پورا دن ایک چھولے کی پلیٹ پر گذارا کرتا تھا، جب وہ ٹھٹہ سیمنٹ فیکٹری میں تھا وہ اپنی تنخواہ سے آدھی تنخواہ پارٹی فنڈ میں جمع کراتا تھا اور باقی رقم گھر بھیجتا تھا، زیادہ تر شہر میں پیدل سفر کو ترجیح دیتا تھا، ایک دفعہ وہ گھر جا رہا تھا تو سفر میں ہم بٹھورو سے ساتھ نکلے تھے راستے میں بولا یار ایک ویسلین کی ڈبی لینی ہے۔"جب میں آرہا تھا تو میرے بیٹے نے کہا تھا بابا سردی کی وجہ سے میرے ہاتھ پاؤں پھوٹ گئے ہیں جب آؤ گے تو ویسلیں لے آنا"۔لیکن اب جب اگلی بار آؤں گا پھر لوگوں آجاؤ تمہیں کھانا کھلاؤں، میری سختی سے منع کرنے کے باوجود وہ مجھے ہوٹل پر لے گیا اور ہم نے ایک گوشت کا سالن اور کچھ روٹی منگوائی تھیں اور وہ تمام جو پلیٹ میں گوشت تھا وہ میری طرف دھکیلتا رہا اور وہ شوربے سے کھانا کھا گیا اور میں نے دیکھیں تو پلیٹ میں تمام گوشت وہ میرے لیے چھوڑ کر اس نے ہاتھ دھو لیے۔اس طرح ہی وہ رہتا تھا۔ دوستو! اس میں ساتھیوں اور دوستوں سے محبت مثالی تھی، وہ برصغیر کا مثالی انقلابی رہنماء تھا اس کو جب بھی دیکھا یکساں دیکھا کل بھی ویسا تو آج بھی ایسا، سالوں کے بعد ملے تب بھی ایسا، وہ نہ بدلا، بہت کچھ بدل گیا، انقلاب کی امید کی کرن جیسی ریاستیں ٹوٹ گئیں، سامراج کے آگے بڑے بڑوں نے گھٹنے ٹیک دیئے، لیکن وہ جو تھا وہ بہت منفرد تھا، اس کا ایمان تھا کہ ہم سب کچھ بدل لیں گے صرف متوسط طبقے کو یہ بات سمجھ میں آجائے۔انقلاب ضرور آئے گا، یہ ہی اس کا ایمان تھا، یہ ہی اس کی جدوجہد تھی۔

قبائلی اضلاع ترقی سے محروم

پشـــاور قبائلی اضلاع خیبر پختونخوا میں انضمام کو 4 سال گزرنے کے باوجود ترقیاتی عمل کے ثمرات سے محروم ہیں۔رواں مالی سال کے دوران قبائلی اضلاع میں ترقیاتی منصوبوں کیلئے مختص بجٹ کا صرف 12 فیصد ترقیاتی فنڈز پر خرچ کیا گیا ہے۔قبائلی اضلاع میں ترقیاتی بجٹ کے حوالے سے 8 محکموں کی کارکردگی صفر، ایک محکمہ کی کارکردگی ایک فیصد، ایک محکمہ کی کارکردگی 4 اور ایک محکمہ کی کارکردگی 5 فیصد رہی۔قبائلی اضلاع کیلئے مختص ترقیاتی بجٹ کو خرچ کرنے میں تحصیل اے ڈی پی، محکمہ اسٹیبلشمنٹ اینڈ ایڈمنسٹریشن، محکمہ ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن، محکمہ لیبر، محکمہ خوراک، محکمہ ہاؤسنگ اور محکمہ ماحولیات، محکمہ پاپولیشن ویلفیئر کی کارکردگی صفر جبکہ محکمہ انرجی اینڈ پاور کی کارکردگی صرف ایک فیصد رہی ہے۔محکمہ لوکل گورنمنٹ کی کارکردگی 4 فیصد اور محکمہ قانون وانصاف کی کارکردگی 5 فیصد رہی ہے۔قبائلی اضلاع کیلئے 99 ارب 11 کروڑ 39 لاکھ روپے کا ترقیاتی بجٹ مختص ہے جن میں 27 ارب 91 کروڑ 85 لاکھ 78 ہزار روپے جاری کئے جاچکے ہیں جبکہ اب تک صرف 12 ارب 59 کروڑ 80 ہزار روپے خرچ کئے جاسکے ہیں۔دستاویزات کے مطابق رواں مالی سال کی بجٹ میں قبائلی اضلاع کیلئے قومی مالیاتی کمیشن ایوارڈ کی مد میں ظاہر کئے گئے 34 ارب 61 کروڑ 79 لاکھ روپے میں 10 ماہ سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود ایک پائی بھی نہ مل سکی۔محکمہ زراعت نے مختص 2 ارب 71 کروڑ میں سے ایک ارب 30 کروڑ 94 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔اوقاف حج و مذہبی امور نے مختص بجٹ 26 کروڑ 20 لاکھ میں سے 6 کروڑ 3 لاکھ، بورڈ آف ریونیو نے مختص 39 کروڑ 65 لاکھ میں سے 12 کروڑ 41 لاکھ، صاف پانی اور نکاس آب کیلئے مختص 2 ارب 84 کروڑ 16 لاکھ میں سے 62 کروڑ 82 لاکھ روپے خرچ کئے جاچکے ہیں۔ابتدائی وثانوی تعلیم کیلئے ترقیاتی بجٹ کی مد میں مختص 7 ارب 95 کروڑ میں سے ایک ارب 48 لاکھ روپے خرچ کئے جاسکے ہیں۔انرجی اینڈ پاور مختص بجٹ 2 ارب 57 کروڑ 74 لاکھ میں 2 کروڑ 70 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔10 ماہ کے دوران محکمہ انرجی اینڈ پاور کی کارکردگی ایک فیصد رہی۔محکمہ ماحولیات کیلئے مختص ایک کروڑ روپے میں ایک بھی پائی خرچ نہیں کی جاسکی ہے۔محکمہ اسٹیبلشمنٹ اینڈ ایڈمنسٹریشن کیلئے مختص 2 کروڑ 9 لاکھ روپے میں ایک بھی پائی خرچ نہیں کی جاسکی ہے۔محکمہ ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن مختص بجٹ 2 کروڑ 28 لاکھ میں ایک بھی روپیہ خرچ نہیں کرسکی ہے۔محکمہ خزانہ مختص ایک کروڑ میں 45 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔محکمہ خوراک مختص 7 کروڑ میں ایک بھی روپیہ خرچ نہیں کرسکی ہے۔محکمہ جنگلات مختص 27 کروڑ 65 لاکھ میں 12 کروڑ 70 لاکھ خرچ کرسکی ہے۔محکمہ صحت مختص بجٹ 5 ارب 37 کروڑ 50 لاکھ میں سے ایک ارب 59 کروڑ 32 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔محکمہ اعلیٰ تعلیم مختص ایک ارب 36 کروڑ 25 لاکھ میں 20 کروڑ 70 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔محکمہ داخلہ مختص بجٹ ایک ارب 7 کروڑ 84 لاکھ میں 12 کروڑ 83 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔محکمہ ہاؤسنگ مختص بجٹ 4 کروڑ 50 لاکھ میں ایک بھی پائی خرچ نہیں کرسکی ہے۔محکمہ صنعت کیلئے مختص ایک ارب 30 کروڑ 37 لاکھ میں 23 کروڑ 51 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔محکمہ اطلاعات مختص 6 کروڑ 46 لاکھ میں ایک کروڑ 51 لاکھ خرچ کرسکی ہے۔محکمہ لیبر ایک بھی روپیہ خرچ نہیں کرسکی ہے۔محکمہ قانون وانصاف مختص ایک ارب ایک کروڑ 34 لاکھ میں 5 کروڑ 11 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔محکمہ لوکل گورنمنٹ مختص 87 کروڑ 17 لاکھ میں سے 3 کروڑ 71 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔محکمہ معدنیات مختص 5 کروڑ 85 لاکھ میں 99 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔ملٹی سیکٹر ڈویلپمنٹ کی مد میں مختص 7 ارب 6 کروڑ 10 لاکھ میں ایک ارب 23 کروڑ 90 لاکھ روپے خرچ کئے جاچکے ہیں۔پاپولیشن ویلفیئر مختص 9 کروڑ 34 لاکھ میں ایک بھی پائی خرچ نہ کرسکی ہے۔محکمہ بحالی وآبادکاری مختص ایک ارب 58 کروڑ 50 لاکھ میں 19 کروڑ 46 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔شاہراہوں کی تعمیر کی مد میں مختص 13 ارب 55 کروڑ 88 لاکھ روپے میں سے 3 ارب 71 کروڑ 8 لاکھ روپے خرچ کئے جاسکے ہیں۔سوشل ویلفیئر مختص 33 کروڑ 51 لاکھ میں 7 کروڑ 3 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔محکمہ کھیل، سیاحت وثقافت مختص 2 ارب 52 کروڑ ایک لاکھ میں 31 کروڑ 71 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔سائنس ٹیکنالوجی اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی مختص 8 کروڑ 60 لاکھ میں سے ایک کروڑ 92 لاکھ روپے خرچ کرسکی ہے۔تحصیل اے ڈی پی کی مد میں مختص 4 ارب روپے میں ایک بھی پائی جاری نہ ہوسکی ہے۔محکمہ ٹرانسپورٹ کیلئے مختص 5 کروڑ 90 لاکھ میں 2 کروڑ 54 لاکھ روپے خرچ کئے جاسکے ہیں۔شہری ترقی کی مد میں مختص 2 ارب 64 کروڑ 68 لاکھ میں 37 کروڑ 19 لاکھ روپے خرچ کئے جاسکے ہیں اور پانی کی مد میں مختص 4 ارب 22 کروڑ 54 لاکھ میں سے ایک ارب 7 کروڑ 84 لاکھ روپے خرچ کئے جاسکے ہیں۔

(منظور آفریدی)

بنیادی سہولیات کی فراہمی کا مطالبہ

جنوبی وزیرستان جنوبی وزیرستان لوئر کی تحصیل برمل کے قومی اتحاد نے اپنے مطالبات کے لیے علاقہ اعظم ورسک میں احتجاجی دھرنا دیا ہوا ہے جس میں تحصیل برمل کے عوام نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ احتجاج میں موجود لوگوں نے سول عسکری قیادت سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے چند جائز اور آئینی مطالبات ہے، ان کو فی الفور پورا کیا جائے۔انہوں نے حکومت کے سامنے چند درج ذیل مطالبات پیش کیے: تحصیل برمل میں 24 گھنٹے بجلی کی فراہمی؛ راغزائی میں منظور شدہ بجلی لائن پر کام کی تکمیل، اعظم ورسک میں ممکنہ گاؤں تک ڈی ایس ایل کیبل کی تنصیب، راغزائی میں پی ٹی سی ایل اور ڈی ایس ایل کنیکشن کی فراہمی، اعظم ورسک بیسک ہیلتھ یونٹ کے ایف سی کے غیر قانونی قبضے کے خاتمے اور مقامی لوگوں پر مظالم کرنے والے عسکری ادارے کے ایک آفیسر کے تبادلے کا مطالبہ کیا ہے۔مظاہرین کا یہ بھی کہنا تھا کہ اعظم ورسک اور مضافات میں ایف سی فائرنگ سے زخمی اور شہدا کو فوری طور پر شہدا پیکج دیا جائے۔

(قسمت اللہ وزیر)

سڑکیں خستہ حالی کا شکار

چمن قلعہ عبداللہ کے مختلف علاقوں میں گزشتہ سال اگست میں آنے والے سیلاب سے لاتعداد رابطہ سڑکیں سیلابی ریلوں میں بہہ گئی تھیں جس کی مرمت اور بحالی کیلئے ابھی تک اقدامات نہیں اٹھائے جاسکے جبکہ حالیہ بارشوں نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی۔ تفصیلات کے مطابق گزشتہ سال اگست میں آنے والے سیلاب سے قلعہ عبداللہ بازار بائی پاس سمیت مختلف علاقوں، ماچکہ کاکوزئی، لاجور سیدان، گلستان، آرمبی کاکوزئی، بالا مسے زئی، حبیب آباد اور دیگر بیشتر علاقوں میں بڑے پیمانے پر زمینی رابطہ سڑکیں سیلابی ریلوں میں بہہ گئی تھیں جس پر متعلقہ محکمہ بی اینڈ آر اور عوامی نمائندوں کی جانب سے مختلف علاقوں کا معائنہ کرنے کے باوجود ابھی تک کام نہیں ہوسکا جو کہ انتہائی قابل تشویش امر ہے عوامی حلقوں نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ متعلقہ محکمہ بی اینڈ آر اور عوامی نمائندے نمائندگی کا حق ادا کرتے ہوئے فوری طور پر راستوں کی مرمت اور بحالی کا کام شروع کریں بصورت دیگر ان راستوں پر ہونے والے تمام ناخوشگوار واقعات کی ساری ذمہ داری متعلقہ حکام پر عائد ہوگی۔

(محمد صدیق)

ٹرانس جینڈر پرسن ایکٹ 2018

..... حکومت پاکستان کے تحت ٹرانس جینڈر پرسن ایکٹ 2018 پاکستان میں رہنے والے تمام ٹرانس جینڈر خواتین وحضرات کو تمام بنیادی حقوق فراہم کرتا ہے۔اس قانون کے مطابق:

1) تمام ٹرانس جینڈر افراد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی جنس کا انتخاب خود کریں۔2) جنس درستگی کی تمام میڈیکل سہولیات فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔3) ٹرانس جینڈر افراد کو نوکری اور تعلیمی اداروں میں جنس کی بنیاد پر تفریق کرنا قانونا جرم ہے۔4) ٹرانس جینڈر افراد کو وراثت میں اپنی خود کی انتخاب شدہ جنس کے مطابق حصہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔5) کسی ٹرانس جینڈر فرد کو زبردستی بھیک مانگنے پر مجبور کرنا قابل سزا جرم ہے۔اس کے علاوہ یہ قانون تمام ٹرانس جینڈر خواتین وحضرات کو بے تحاشا سہولیات اور تحفظات سے نوازتا ہے۔ (دریچہ ہیلتھ سوسائٹی)

واپڈا کی نجکاری کے خلاف احتجاج

ٹنڈو محمد خان واپڈا ہائیڈرو ورکرز یونین کی جانب سے واپڈا کی نجکاری اور مزدوروں کو ان کا حق نہ ملنے کے خلاف احتجاجی ریلی نکالی گئی۔ریلی سے خطاب کرتے ہوئے چیرمین زاہد کھوسہ،عبدالرشید،اور فیاض میمن نے کہا کہ واپڈا کا شمار ملک کے منافع بخش اداروں میں ہوتا ہے۔مظاہرین کا مطالبہ تھا مزدوروں کی تنخواہ میں بھی اضافہ کیا جائے۔

(یعقوب لطیف)

مقتول کی نعش کی بے حرمتی

اوکاڑہ حجرہ شاہ مقیم میں کے گاؤں ڈوگراں میں زمین کا ٹکڑا ایک اور جان نگل گیا۔زرعی اراضی کے تنازعہ پر ملزمان سعی خاں، حاکم علی، جاوید ڈوگر وغیرہ نے اپنے 27 سالہ بھانجے عبدالرزاق کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر لاش کو تحویل میں لیکر کاروائی کا آغاز کر دیا۔پولیس نے 9 ملزمان کیخلاف مقدمہ درج کر لیا۔ملزموں کی گرفتاری کیلئے چھاپے مارے جا رہے ہیں بہت جلد تمام ملزمان کو گرفتار کر لیے جائیں گے۔ (اصغر حسین حماد)

پاک افغان بارڈر پر ٹیکنالوجی کی مرمت کا مطالبہ

لنڈی کوتل پاک افغان طورخم بارڈر پر کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس کا اپنے مطالبات کے حق مظاہرہ۔مظاہرین کا کہنا تھا کہ درآمدات کی چیکنگ کرنے والے اسکینر آئے روز خراب ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے درآمد شدہ مال کئی روز تک بارڈر پر پڑا رہتا ہے جس کی وجہ سے کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس اور تاجروں کو وقت کے ضیاع کے ساتھ ساتھ بھاری مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔درآمد شدہ مال میں تازہ پھل بھی ہوتے ہیں جو زیادہ دیر تک پڑے رہنے سے خراب ہو جاتے اور بکنے کے قابل نہیں رہتے جس کے نتیجے میں پھل درآمد کرنے والے تاجروں کو نقصان ہوتا ہے اور مقامی پھلوں کی مقامی منڈی بھی شدید متاثر ہوتی ہے۔انہوں نے کہا کہ طورخم ٹرمینل میں این ایل سی کی ذمہ داری ہے کہ تاجروں کو بروقت سہولیات فراہم کریں اور سکینر کو جلد ٹھیک کریں تاکہ تاجر نقصان سے بچ جائے۔

(منظور آفریدی)

عورتیں

شادی سے انکار پر تیزاب اور تیز دھار آلے سے حملہ

ٹنڈو آدم کے علاقے جمن شاہ میں شادی سے انکار پر یتیم پندرہ سالہ لڑکی مسکان ولد طاہر علی سومرو پر اس کے رشتہ دار نوید سومرو نے زبردستی گھر میں گھس کر تیزاب پھنکا۔لڑکی اپنا چہرہ بچانے میں کامیاب ہو گئی جبکہ لڑکی کی گردن اور جسم کا کچھ حصہ تیزاب سے جھلس گیا۔ لڑکی نے بھاگ کر محلے کے دوسروں گھروں میں گھس کر جان بچانے کی کوشش کی لیکن ملزمان نے وہاں بھی پہنچ کر تیز دھار آلے سے لڑکی پر حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ محلے والوں کی مداخلت پر ملزمان فرار ہو گئے۔واقعہ کی اطلاع سٹی پولیس کو دی گئی جس پر سٹی پولیس نے ملزمان کے گھروں پر چھاپہ مارا مگر وہ گھروں کو تالہ لگا کر فرار ہو گئے۔

(ابراہیم خلجی سانگھڑ)

'غیرت' کے نام پر بہن کی جان لے لی

باجوڑ خیبر پختونخوا کے قبائلی ضلع باجوڑ میں غیرت کے نام پر بہن کو قتل کرنے والے تین بھائیوں کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔مقتولہ چھ بچوں کی ماں تھی۔رمضان کے وسط میں لاپتہ ہو گئی تھی۔ جس کے بعد اس کے شوہر نور خان نے اس کے بھائیوں پر اسے قید کرنے کا الزام لگاتے ہوئے تھانہ خار میں ایف آئی آر درج کرائی تھی۔خاتون شادی شدہ تھی لیکن بعد میں اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی اور گھر اس کے حوالے کر دیا جہاں وہ اپنے پانچ بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔بعد میں اس نے نور خان نامی شخص سے دوسری شادی کی اور نور خان سے اس نے لڑکی کو جنم دیا۔ایس ایچ او تھانہ خار سعید الرحمان نے میڈیا کو اس حوالے سے بتایا کہ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ اس خاتون کو اس کے پہلے شوہر نے طلاق دی ہے کیونکہ عورت اپنے بچوں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتی تھی لیکن اس نے چھپکے سے دوسرے مرد سے شادی کر لی۔''انہوں نے مزید کہا کہ جب اس کے بھائیوں کو پتہ چلا تو انہوں نے اسے گھر میں بند کر دیا اور بعد میں خفیہ طور پر قتل کر کے دفن کر دیا۔ پولیس نے تینوں بھائیوں کو اس وقت گرفتار کر لیا جب انہوں نے اپنی بہن کی گمشدگی سے لاعلمی کا اظہار کیا۔تاہم، پوچھ گچھ کے دوران انہوں نے پولیس کو بتایا کہ انہوں نے اسے قتل کر کے خفیہ طور پر دفن کر دیا تھا۔پولیس نے مزید بتایا کہ ہمیں طویل کوشش کے بعد میت مل گئی۔خاتون کو گولی ماری گئی تھی اور پھر اسے کھیتوں میں چپکے سے دفن کر دیا گیا تھا،ہم نے لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیا اور تینوں بھائیوں کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔

(مسعود شاہ)

بیوی کو قتل کر دیا

چنیوٹ 27 اپریل کو گھریلو جھگڑے پر شوہر نے بیوی کو تیز دھار آلے سے قتل کر دیا۔نوشین بی بی اور اس کے شوہر حیدر علی کے درمیان اکثر جھگڑا رہتا تھا۔ 27 اپریل کو بھی ملزم نے طیش میں آ کر تیز دھار آلے کے وار سے اسے قتل کر دیا۔تھانہ رجوعہ کی پولیس موقع پر پہنچ گئی۔مقتولہ پانچ بچوں کی ماں تھی اور گذشتہ عرصہ سے گھریلو ناچاقی پر اپنے والدین کے گھر موجود تھی۔واقعہ کی تحقیق وحسب ضابطہ کارروائی جاری ہے۔ (سیف علی خان)

تعلیم

درجنوں بچے تعلیم سے محروم

چمن چمن شہر کے وسط میں موجود گورنمنٹ پرائمری سکول بحرالعلوم گھوڑا ہسپتال روڈ چمن سہولیات سے محروم ہے۔گورنمنٹ پرائمری سکول مدرسہ بحرالعلوم جامع مسجد نور گھوڑا ہسپتال روڈ چمن کی تعلیمی کمیٹی کے سیکرٹری جنرل حافظ سیف الرحمٰن صدیق نے جہدحق کے نامہ نگار کو بتایا کہ شہر کے وسط گنجان آبادی میں قائم تعلیمی ادارہ سہولیات سے محروم ہیاور سکول میں صرف ایک استاد تعینات ہے۔سکول میں طلبہ کی تعداد 61 ہے۔مزید علاقے میں درجنوں طلبہ تعلیم سے محروم ہیں۔سکول میں داخلہ ممکن نہیں۔اسکول کی تعلیمی کمیٹی نے کئی بار محکمہ تعلیم کے اعلیٰ حکام کو ان مسائل سے آگاہ آگاہ کیا ہے۔

(محمد صدیق)

لڑکیوں کے دوسکولوں کو بارودی مواد سے اڑا دیا گیا

شمالی وزیرستان نامعلوم افراد نے رات کی تاریکی میں تحصیل میرعلی گاؤں موسکی میں مرحوم ڈاکٹر نور جنت گل گرلز سکول کو بارودی مواد سے تباہ کر دیا جس میں روزانہ کی بنیاد پر سینکڑوں بچیاں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔دوسرے واقعے میں بھی نامعلوم افراد نے تحصیل میرعلی کے گاؤں حسوخیل میں یونس گرلز سکول کو دھماکے سے تباہ کر دیا۔یادرہے کہ کئی سال قبل نامعلوم مسلح افراد نے حسوخیل یونس گرلز سکول کو دھمکی آمیز پیغامات بھیج کر بند کروادیا تھا تاہم،حکومت اورعوام کی کوششوں سے دوبارہ سکول کو کھول دیا گیا تھا۔گورنمنٹ گرلز سکول یونس کوٹ میں بھی روزانہ کی بنیاد پر سینکڑوں بچیاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتی تھیں لیکن اب ان دونوں سکولز کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔گورنمنٹ گرلز سکول یونس کوٹ کا مڈل حصہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔عوام نے اس واقعے پر شدید غم وغصے کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ تعلیم ہر پاکستانی کا حق ہے جس طرح ملک کے دیگر حصوں میں تعلیم کا نظام موجود ہے اسی طرح قبائلی علاقوں میں بھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہی سہولیات فراہم کی جائیں۔دنیا تعلیم کی وجہ سے ترقی کر رہا ہے اور ہمیں روز بروز روشنی سے اندھیرے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔

(مسعود شاہ)

اساتذہ کے قتل کی شدید مذمت

پاراچنار ضلع کرم کے بلدیاتی نمائندوں نے اساتذہ سمیت آٹھ افراد کے قتل پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور بے گناہ اساتذہ کے قتل کے واقعے کو زمینی تنازعہ سے منسلک کرنے کی شدید مذمت کی ہے۔پاراچنار میں مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مختلف کونسلز کے چیئرمینز،جنرل کونسلرز،کسان کونسلرز اور یوتھ کونسلز کے رہنماؤں سید اخلاق حسین،جمیل حسین،عارف حسین،صابر بنگش،ملک زرتاج حسین،ساجد حسین،سید شاہ محسن اور سید صداقت گل نے کہا کہ چار مئی ضلع کرم کی تاریخ کا سیاہ ترین دن تھا جس دن نامعلوم افراد کے ہاتھوں محمد شریف نامی شخص کے قتل کے واقعے کے بعد مسلح افراد تری منگل ہائی سکول میں داخل ہوئے اور ٹیچرز اور سٹاف کی موجودگی میں فائرنگ اور کلہاڑیوں کے وار سے چار اساتذہ اور تین مزدوروں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا مگر مقتول اساتذہ کے ساتھ ایک اور ظلم بھی کیا گیا وہ یہ کہ متعلقہ حکام کی جانب سے قتل کے اس عظیم سانحے کو زمینی تنازعہ قرار دیا گیا جو کہ قابل مذمت ہے۔رہنماؤں کا کہنا تھا کہ اگر متعلقہ ادارے قاتلوں کو گرفتار نہیں کر سکتے تو غلط بیانی سے بھی کام نہ لیں۔رہنماؤں نے قاتلوں کی حمایت میں بیانات جاری کرنے والے افراد کے اقدام کی بھی مذمت کی۔رہنماؤں نے کہا کہ اصل مجرموں کو فوری گرفتار کیا جائے اور بے گناہ اساتذہ کے قتل کے اس افسوس ناک واقعے کو زمینی تنازعہ کا رنگ دینے کے معاملے کی بھی بلا تاخیر تحقیقات کی جائے۔

(محمد حسن)

قدیم اسکول کی عمارت کی مرمت کی جائے

اوکاڑہ برطانوی دور میں جب بنگلہ گوگیرہ ضلع تھا تو ضلعی دفاتر اور عدالت کے لئے جو بڑی عمارت تعمیر کی گئی بعد ازاں یہاں بوائز ہائی سکول قائم کر دیا گیا اور طویل ترین عرصے تک یہ عمارت سکول کے لئے استعمال ہوتی رہی اس وجہ سے اس سکول کو عرف عام میں کوٹھی سکول کہا جاتا رہا بلکہ اب بھی کہا جاتا ہے۔یہ عمارت اب بھی گورنمنٹ بوائز ہائی سکول بنگلہ گوگیرہ کی مرکزی جگہ ہے۔لیکن حد درجہ شکستہ ہونے کی وجہ سے کئی سال سے عمارت کے اندر تدریس کا کام بند ہے۔سات آٹھ سال سے اس عمارت کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے لیکن ہزار ہا وعدوں کے باوجود اس تاریخی ورثے کی عمارت کی تعمیر نو اور بحالی پر کام نہیں ہوا اور یہ عمارت اپنی شکستگی کی وجہ سے مٹنے اور گرنے والی ہے یوں ایک تاریخی ورثہ ہی ختم نہیں ہوگا بلکہ اگر یہ سکول اوقات میں گر پڑی تو عین سکول کے مرکز میں ہونے کی وجہ سے بہت بڑا انسانی المیہ جنم لے سکتا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

امتحانی ہال میں فائرنگ سے اساتذہ سمیت 7 افراد جاں بحق

اپر کرم خیبر پختونخوا کے علاقے اپر کرم کے ایک سکول میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے امتحانی ڈیوٹی پر مامور اساتذہ سمیت 7 افراد جاں بحق ہوگئے۔پولیس کے مطابق اپر کرم کے تری منگل ہائی سکول میں مسلح افراد نے گھس کر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں ابتدائی معلومات کے مطابق 5 اساتذہ اور دو مزدور جاں بحق ہوئے۔پولیس نے بتایا کہ جاں بحق ہونے والوں میں میر حسین،جواد حسین،نوید حسین،جواد علی،محمد علی اور علی حسین شامل ہیں جن کا تعلق طوری بنگش قبائل سے بتایا جا رہا ہے جبکہ وہ تری منگل ہائی سکول میں امتحانی ڈیوٹی سرانجام دے رہے تھے۔قبل ازیں پارہ چنار میں ایک چلتی گاڑی پر بھی فائرنگ کی گئی جس کے نتیجے میں ایک استاد قتل ہوگئے۔پولیس کا کہنا ہے کہ گاڑی میں قتل ہونے استاد محمد شریف کا تعلق بھی تری منگل ہائی سکول سے تھا اور وہ بھی اسی سکول ڈیوٹی کے لئے جا رہے تھے جہاں دیگر اساتذہ قتل ہوئے۔ان واقعات کے بعد ضلع بھر کے ہسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی،ضلع بھر میں آمدورفت کے راستے سیکورٹی خدشات کے باعث بند کر دیئے گئے جبکہ کوہاٹ تعلیمی بورڈ کے زیر اہتمام 28 اپریل سے جاری میٹرک امتحانات نامعلوم مدت کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔

(مسعود شاہ)

طالبات کا فیس میں اضافے کے خلاف احتجاج

نوشکی سرادر بہادر خان یونیورسٹی (ایس بی کے یو) کے ذیلی کیمپس نوشکی کی طالبات نے سمسٹر فیس میں 8 ہزار روپے اضافے کے خلاف بطور احتجاج ایس بی کے یو کیمپس کے قریب آر سی ڈی شاہراہ بلاک کر دی جس کے باعث ایک گھنٹے تک آر سی ڈی شاہراہ پر ٹریفک معطل رہی۔ طالبات نے اپنے مطالبات کے حق میں نعرے بازی کی۔ اسٹنٹ کمشنر نوشکی زائد شاہوانی ایس بی کے کیمپس پہنچ گئے۔ انہوں نے طالبات کو یقین دہانی کرائی کہ ان کے مسائل سے متعلق حکام بالا کو آگاہ کیا جائے گا اور سمسٹر فیس میں کمی سمیت دیگر مسائل حل کیے جائیں گے۔ اس یقین دہانی پر طالبات نے احتجاج ختم کر دیا۔ اس موقع پر طالبات نے جہد حق کے نامہ نگار سعید بلوچ کو بتایا کہ نوشکی غریب علاقہ ہے۔ "ہمارے والدین اتنا خرچہ برداشت نہیں کر سکتے اور حکومت کے غلط پالیسیوں کے نتیجے میں ہم اعلیٰ تعلیم کے حصول سے محروم ہو جائیں گے"۔ انہوں کہا نے کہ ریکوڈک کی سرزمین کی طالبات کو تعلیم کے حصول کے لیے وظائف دیے جائیں اور ہمارے دیگر بنیادی مسائل کے حل پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اگر ہمارے مطالبات پر عمل درآمد نہیں کیا گیا تو ہم دوبارہ احتجاج کرنے اور آر سی ڈی شاہراہ بلاک کرنے پر مجبور ہوں گے۔

(محمد سعید)

تنخواہوں کی عدم ادائیگی

نوشکی ڈسٹرکٹ میں بیسک کمیونٹی ایجوکیشن اسکولز کی خواتین اساتذہ کو گزشتہ 12 ماہ سے تنخواہوں کی عدم ادائیگی سے وہ مالی مشکلات اور مصائب سے دوچار ہیں۔ تنخواہوں کے ادائیگی کے لیے خواتین اساتذہ نے پریس کلب کے سامنے احتجاج بھی کیا لیکن متعلقہ حکام نے معاملے کا نوٹس نہیں لیا۔ دیگر صوبوں نے اس پروجیکٹ میں فرائض سرانجام دینے والے اساتذہ کو دوسال قبل محکمہ تعلیم میں مستقل کر دیا ہے۔ اس پروجیکٹ میں اساتذہ گزشتہ 18 سالوں سے انتہائی قلیل تنخواہ پر اپنے فرائض منصبی سرانجام دے رہی ہیں اور اکثر اساتذہ کی عمریں ملازمت کی بالائی حد سے گزر چکی ہے۔ مستقل نہ ہونے کی وجہ سے اساتذہ جہاں مالی مصائب سے دوچار ہیں۔ اساتذہ نے ایچ آر سی پی کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہم انسانی حقوق کمیشن پاکستان کے توسط سے صوبائی حکومت اور دیگر متعلقہ حکام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہماری تنخواہوں کی ادائیگی اور ہمیں محکمہ تعلیم میں مستقل کرا کر مالی مشکلات اور ذہنی پریشانیوں سے نجات دلانے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ (محمد سعید)

سکول کی تعمیر نو میں تاخیر، سینکڑوں طلباء کا تعلیمی مستقبل خطرے سے دوچار

رباط گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول رباط کی دوبارہ تعمیر نو میں تاخیر کے باعث سینکڑوں طلباء کھلے آسمان تلے شدید گرمی میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ مقامی افراد کے مطابق 1965 میں تعمیر شدہ گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول رباط کی عمارت کو رواں سال فروری کے مہینے میں دوبارہ تعمیر کرنے کی غرض سے مسمار کر دیا گیا تھا تاہم حکومت کی جانب سے کنٹریکٹر کو فنڈز نہ ملنے کی وجہ سے تعمیراتی کام بند پڑا ہے جس کی وجہ 12 سو سے زائد طلباء کا تعلیمی مستقبل خطرے میں پڑ گیا ہے۔ مقامی افراد کا کہنا ہے کہ مذکورہ سکول کی تعمیر نو کے لیے حکومت کی جانب سے 6 کروڑ 50 لاکھ روپے کا ٹینڈر منظور ہو چکا ہے تاہم تاحال واضح نہیں ہے کہ کس وجہ سے فنڈز کو روک دیا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہمارے بچے گزشتہ تین ماہ سے کھلے آسمان تلے تعلیم حاصل کر رہے ہیں جبکہ سکول میں چھت اور دیگر بنیادی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے وہ بچوں کی مستقبل کے بارے میں فکرمند ہے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ حکام فوری طور پر مذکورہ سکول کی تعمیر کے لیے فنڈز جاری کریں یا سکول کی دوبارہ تعمیر تک طلباء کے لیے متبادل جگہ کا بندوبست کیا جائے۔

(مسعود شاہ)

اساتذہ کا احتجاج

ٹنڈو محمد خان استاد تنظیم کے ساتھیوں نے پریس کلب کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے مطالبا کیا کہ اساتذہ کی آسامیوں کے لیے جن لوگوں نے امتحانات پاس کیے ہیں ان کی تعیناتی کا آرڈر جاری کیا جائے۔ مظاہرین کا مزید کہنا تھا کہ خدشہ ہے کے بعض بااثر سیاسی لوگ ایسے افراد کی تعیناتی کے آرڈر جاری کروائیں گے جو کہ طے شدہ معیار پر پورا نہیں اترتے۔ اس لیے، اساتذہ کی بھرتی کرتے وقت میرٹ کا خاص خیال رکھا جائے۔

(یعقوب لطیف سومرو)

بہتر تعلیمی سہولیات کی فراہمی کے لیے اساتذہ کی ریلی

چمن گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن آئینی بلوچستان کے زیر اہتمام اساتذہ کے حقوق کے حصول، جونیئر ٹیچرز کی اپ گریڈیشن، ٹائم اسکیل کے انجماد، پری میچور انکریمنٹ کی کٹوتی کے خلاف اور دیگر مسائل کے حل کیلئے سینٹرل ہائی اسکول کوئٹہ سے ایک ریلی نکالی گئی جو مختلف شاہراہوں سے ہوتی ہوئی زرغون روڈ پر بلوچستان اسمبلی پہنچی جہاں ریلی کے شرکاء نے دھرنا دیا۔ ریلی کے شرکاء نے بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر جے وی ٹی، جے ای ٹی اور مساوی اساتذہ کی اپ گریڈیشن کے نوٹیفکیشن کے اجراء میں تاخیر، اساتذہ کی تنخواہوں سے پری میچور انکریمنٹ کی رولز کے برعکس کٹوتی، 2019 سے ٹائم اسکیل کے بلا جواز انجماد، درسی کتب کی عدم ترسیل، تعلیمی اداروں کے فنڈز میں خورد برد، بورڈ آفس میں مالی بے قاعدگیوں اور کرپشن کے خلاف، ٹیچنگ الاونس میں اضافے، تنخواہوں میں مہنگائی کے تناسب سے اضافے کے نعرے درج تھے۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ گزشتہ سال جی ٹی اے آئینی نے انہی مطالبات کے حل کیلئے 38 دن تک تادم مرگ بھوک ہڑتال کی جلسہ و جلوس، مظاہرے اور دھرنے دیئے جس کے نتیجے میں حکومت نے اساتذہ کے مطالبات کو جائز قرار دے کر وزیر اعلیٰ اور وزراء نے مذاکرات کئے اور اپ گریڈیشن کی وزیر اعلیٰ اور صوبائی کابینہ نے باقاعدہ منظوری دی لیکن تاحال نوٹیفکیشن کے اجراء میں ٹال مٹول سے کام لیا جا رہا ہے۔

(محمد صدیق)

اقلیتیں

احمدی کمیونٹی کی عبادت گاہ پر حملہ، مینار مسمار کر دیے گئے

میرپورخاص پاکستان کے صوبہ سندھ کے ضلع میر پور خاص میں نامعلوم افراد کی جانب سے احمدیوں کی عبادت گاہ میں توڑ پھوڑ اور سامان کو آگ لگانے کا واقعہ پیش آیا ہے۔احمدیہ کمیونٹی کے مطابق چند ماہ میں ضلعے میں تیسری عبادت گاہ کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ واقعے کی تحقیقات جاری ہیں جس کے بعد ہی مقدمہ درج کیا جا سکے گا۔تفصیلات کے مطابق میر پور خاص کے علاقے ڈھولن آباد میں واقع احمدی کمیونٹی کی عبادت گاہ پر بعض افراد نے جمعرات کی صبح حملہ کیا۔مشتعل افراد سیڑھی لگا کر عبادت گاہ کے بالائی حصے میں داخل ہوئے اور مینار توڑ دیے۔احمدیہ جماعت کے ترجمان نے دعویٰ کیا کہ عبادت گاہ کو آگ لگانے بھی لگانے کی بھی کوشش کی گئی۔مقامی صحافیوں نے وائس آف امریکہ کو بتایا کہ پولیس واقعے کے بعد پہنچی اور صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے ہجوم کو منتشر کیا لیکن تاحال مقدمہ درج نہیں ہو سکا۔میر پور خاص پولیس کے ایک افسر نے صحافیوں کو بتایا کہ فی الوقت واقعے کی تحقیقات کی جا رہی ہیں۔تین فروری کو بھی ضلع میر پور خاص کے مقام گوٹھ چوہدری جاوید احمد میں نامعلوم افراد نے جماعت احمدیہ کی عبادت گاہ کے میناروں کو توڑ دیا تھا اور عبادت گاہ میں موجود سامان کو آگ بھی لگائی تھی۔چار فروری کو میر پور خاص شہر کے علاقے سیٹلائٹ ٹاؤن میں بھی رات کے وقت نامعلوم افراد نے احمدی عبادت گاہ پر فائرنگ کی جس کی گولیاں دروازے اور دیوار پر لگیں، تاہم خوش قسمتی سے اس واقع میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔اس سے قبل کراچی اور عمر کوٹ میں بھی ایسے واقعات ہوئے جن میں احمدی عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔صرف سندھ ہی نہیں بلکہ پنجاب کے مختلف علاقوں میں بھی ایسی ہی کارروائیوں میں حالیہ دنوں احمدیوں کی عبدات گاہوں کو نقصان پہنچانے کی شکایات سامنے آئی تھیں۔احمدیہ کمیونٹی کے ترجمان عامر محمود کا کہنا ہے کہ رواں سال مجموعی طور پر پانچ عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا جا چکا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ یہ بڑھتے ہوئے واقعات جماعت کے لیے انتہائی تشویش کا باعث ہیں۔انہوں نے بتایا کہ اگرچہ ایسے واقعات ماضی میں بھی ہو چکے ہیں لیکن کچھ عرصے میں ان واقعات میں کافی تیزی دیکھی گئی ہے اور بعض واقعات کی ایف آئی آر تو درج ہوئی ہیں لیکن شاید ہی کسی واقعے میں ملوث ملزمان کو گرفتار کر کے ان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا ہو۔عامر محمود کا کہنا تھا کہ پاکستان کا آئین، سپریم کورٹ کے فیصلے اور عالمی انسانی حقوق کا منشور ہمیں مکمل مذہبی آزادی کا حق دیتا ہے۔حال ہی میں انسانی حقوق کمیشن پاکستان (ایچ آر سی پی) کی جاری کردہ سالانہ رپورٹ میں بھی ملک میں احمدی عبادت گاہوں کا تقدس پامال کرنے پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ملک میں گزشتہ سال مجموعی طور پر 92 احمدی قبرستانوں اور دس عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا گیا۔کمیشن نے قرار دیا تھا کہ حکومت مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ میں ناکام دکھائی دیتی ہے جب کہ احمدیوں پر حملے کے واقعات میں کافی اضافہ دیکھا جا رہا ہے۔حکومت احمدی کمیونٹی کے ساتھ پیش آنے والے ان واقعات پر اپنے ردِعمل میں کہتی رہی ہے کہ قانون ہاتھ میں لینے کی کسی کو اجازت نہیں دی جا سکتی۔حکومت کا موقف رہا ہے کہ ملکی قانون کے مطابق احمدی کمیونٹی اپنی عبادت گاہوں میں اسلامی شعائر یا عبارتیں درج نہیں کر سکتی، تاہم شر پسند عناصر کو احمدی برادری کو ہراساں کرنے یا اُن کے خلاف کسی بھی اقدام کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ (بشکریہ وائس آف امریکہ)

جبری تبدیلی مذہب کی روک تھام کے لئے قانون سازی کی جائے

حیدرآباد انڈس ہوٹل حیدر آباد میں سینٹر فار سوشل جسٹس (سی ایس جے) کے زیر اہتمام "جبری تبدیلی مذہب سے تحفظ کا نظام اور اقلیتوں کے انسانی حقوق" کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کے مقررین نے انسانی حقوق کے مسائل سے نمٹنے کے لیے سخت اقدامات کا مطالبہ کیا۔مقررین بشمول؛ پیٹر جیکب، ایاز لطیف پلیجو (صدر قومی عوامی تحریک)، صحافی ونگنس، بشپ کلیم جان نے انسانی حقوق کو اولین ترجیح بنانے اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے پالیسی اصلاحات متعارف کرانے پر زور دیا۔اس موقع پر ادارہ برائے سماجی انصاف کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر پیٹر جیکب نے کہا کہ پریشان کن طور پر 2023ء کے پہلے چار مہینوں میں جبری تبدیلی مذہب کے 39 واقعات رپورٹ ہوئے۔ایسا لگتا ہے کہ حکومت ہندو اور مسیحی لڑکیوں کے اغوا اور جبراً تبدیلی مذہب میں ملوث جرائم کو روکنے میں ناکام رہی ہے۔پولیس نے 39 میں سے صرف تین لڑکیوں کو بازیاب کرایا، دو لڑکیاں اغوا کاروں کے چنگل سے فرار ہوئیں جبکہ باقی اس دعوے کے تحت اغوا کاروں کی قید میں ہیں کہ انہوں نے مذہب تبدیل کر لیا ہے۔کل 39 میں سے 35 سندھ، 3 پنجاب اور ایک کیس بلوچستان سے رپورٹ ہوا۔اس لیے حکومت کو اس صورتحال پر فوری توجہ دینی چاہیے۔ادارہ برائے سماجی انصاف کے مطابق تکفیر کے قوانین کا استعمال بھی بڑھ رہا ہے۔57 افراد کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا جبکہ 2023ء کے پہلے چار ماہ میں چار افراد کو ماورائے عدالت قتل کیا گیا۔پاکستان میں بچیوں اور زبردستی کی شادیاں کئی وجوہات کی بناء پر رائج ہیں جن میں روایتی طریقے، غربت، شعور کی کمی، تعلیم اور ہنر کی کمی اور قانون کی حکمرانی کا فقدان شامل ہیں۔حکومت کو چاہیے کہ وہ چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ کو لاگو کرے اور ملک بھر میں شادی کی کم از کم قانونی عمر 18 سال مقرر پر عمل درآمد نیز دولہا اور دلہن دونوں کے لیے قومی شناختی کارڈ کو لازمی قرار دیا جائے اور کم عمری کی شادی کالعدم قرار دی جائے۔ونگس (صحافی) نے کہا کہ تمام شہریوں کے مساوی آئینی اور انسانی حقوق ہیں۔آئین میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے، اس لیے جبری تبدیلی مذہب پسماندہ طبقات کے حقوق غصب کر رہی ہیں جو کہ ایک سنگین مسئلہ ہے جس پر حکومت کو فوری طور پر ملک بھر میں شادی کی کم از کم عمر 18 سال مقرر کرتے ہوئے فوری طور پر عمل کرنا چاہیے تاکہ مختلف صوبوں میں مختلف قوانین کے ذریعے نوجوان لڑکیوں کا استحصال نہ ہو۔انسانی حقوق کے کارکن یوسف بنجمن نے قومی کمیشن برائے اقلیت کے قیام کا مطالبہ کیا جو 30 سال سے زیر التوا ہے۔حکومت کو انسانی حقوق کے ماہرین کی سفارشات کی روشنی میں اقلیتی کمیشن 2023 کے مسودہ قانون کی ضرورت ہے تاکہ اقوام متحدہ کے پیرس اصولوں اور 19 جون 2014ء کو جاری کردہ سپریم کورٹ کی ہدایات کے مطابق ایک آزاد، خود مختار، اور وسائل سے بھرپور ادارہ تشکیل دیا جا سکے۔صنفی بنیاد پر ہونے والے جرائم جو اکثر مختلف وجوہات کی بناء پر رپورٹ نہیں ہوتے ہیں، جن میں سماجی بدنامی، غربت اور انسانی حقوق کے تحفظ کے طریقہ کار تک محدود رسائی شامل ہیں۔حکومت کو کم سنی کی شادی اور جبری شادی اور جبری مذہب کی تبدیلی کے نظام اور بنیادی عوامل سے نمٹنے کے لیے قوانین، پالیسیاں اور حکمت عملی اپنانا اور ان پر عمل درآمد کیا جائے۔پروگرام میں سول سوسائٹی سے تعلق رکھنے والی شخصیات نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ (بوٹا امتیاز)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

کسان رہنما کی بازیابی کا مطالبہ

ٹنڈومحمد خان ٹنڈو محمد خان میں کسان رہنما منظور لغاری کی بازیابی کے لیے پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ مبینہ طور گمشدہ کسان رہنماء کوفوری طور بازیاب کیا جائے۔ٹنڈو محمد خان کی لغاری برادری کی جانب سے سانگھڑ کے علاقے سنجھورو سے مبینہ طور نامعلوم کارسواروں کی جانب سے اغوا ہونے والے کسان رہنماء منظور لغاری کی بازیابی کے لیے پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظارہ کیا گیا۔مظاہرین نے ہاتھوں میں بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر منظور لغاری کی بازیابی کے نعرے درج تھے۔مظاہرین کا کہنا تھا کہ اغواکنندگان کار میں سوار 4افراد منظور لغاری کو یہ بول کر کار میں بٹھا کر لے گئے کہ "آپ کو ایس ایچ او سنجھورو نے بلایا ہے۔ جس کے بعد ایک ہفتہ گزرنے کے باوجود کوئی سراغ نہ مل سکا ہے جس کے باعث ورثاء میں سخت بے چینی ہے۔

(رمضان شورو)

خفیہ ایجنسی کے اہلکار ہراساں کر رہے ہیں

کوہاٹ 11اپریل کو کوہاٹ میں افطاری کے وقت میری گاڑی کو آگ لگا کر خاکسر دکر دیا گیا۔ اس سے پہلے بھی مجھے گاڑی چھیننے اور مجھ سمیت میرے بیٹے کو اغواء کرنے کی دھمکیاں موصول ہوتے رہیں,اور کہا گیا کہ "آپ انسانی حقوق کے لئے جدوجہد ,بنیادی انسانی حقوق پر بات کرنے سمیت پشتون تحفظ مومنٹ کا ساتھ دینا چھوڑ دیں"۔ کئی دفعہ مجھے حبس بے جا میں رکھا گیا۔مزید برآں،آئی ایس آئی کے کوہاٹ میں موجود ایک اہلکار نے مجھے کئی بار دھمکایا اور پشتون تحفظ مومنٹ کا ساتھ دینے سے منع کرنے سمیت مجھے مختلف سیاسی پارٹی میں شامل ہونے کے احکامات جاری کیے اور ذبردستی سیاسی وفاداری تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ان کے احکامات نہ ماننے پر میرے دوستوں کے ذریعے مجھے پیغام بھیجا کہ "ہم ان سے ان گاڑی چوری کریں گے جس کے لئے پاراچنار سے ہم نے درجن کے قریب اسپشل کار لفٹر بلائے ہیں"۔ میرا ماننا ہے کہ کوہاٹ میں آئی ایس آئی کے ایک اہلکار نے میری گاڑی کو جلایا ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے مزید نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔اس سے پہلے ہمیں کئی مرتبہ ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کے بہانے بلا کر کئی گھنٹوں تک حبس بے جا میں رکھا گیا ہے۔ ان اہلکاروں کا مقصد ہمیں ذہنی پریشانی میں بتلا کرانسانی حقوق کی جدوجہد ,وسائل کی تقسیم بر بات کرنے سے روکنے اور ہماری سیاسی بصیرت ختم کرنا ہے۔ میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے آئندہ کسی قسم کی کوئی نقصان پہنچا تو اس کا ذمہ دار کوہاٹ میں موجود آئی ایس آئی کا اہلکار رضا نامی شخص اور ان کے ٹیم ممبران ہوں گے۔

(جاوید خٹک ایڈووکیٹ)

بچے

بچے پر سیکیورٹی اہلکاروں کی مبینہ فائرنگ

باڑہ باڑہ شلوبر قومی کونسل نے قبیلہ شلوبر میں سیکورٹی اہلکاروں کی ہاتھوں سولہ سالہ بچے پر فائرنگ کا واقعہ افسوسناک اور قابل مذمت قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس طرح کی واقعات علاقائی امن کیلئے کسی طور پر نیک شگون نہیں ہیں۔قومی کونسل ایسے اقدامات سے گریز کا مطالبہ کرتی ہے۔ ان سے علاقیکی امن کی فضاء خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ شلوبر قومی کونسل مقامی انتظامیہ اور سیکورٹی اداروں سے مطالبہ کرتی ہے کہ واقعہ کی شفاف انکوائری کی جائے اور ملوث افراد کو قانون کے مطابق سزا دی جائے سیکورٹی اہلکاروں کی فائرنگ سے زخمی شاہین خان ولد رائیس خان کو ڈوگرہ میں ابتدائی طبی امداد دینے کے بعد حیات اباد میڈیکل کمپلیکس منتقل کر دیا گیا ہے۔زخمی بچے کی حالت خطرے سے باہر ہے۔

(مسعود شاہ)

تفریحی پارک زبوں حالی کا شکار

نوشکی صحت مند معاشرے کی تشکیل میں تفریحی پارکوں کی اہمیت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا ہم اپنے تفریحی مقامات کو فعال اور بہتر بنا کر ہی آنے والی نسل کو بہتر مستقبل دے سکتے ہیں۔نوشکی کی آبادی تین لاکھ سے زائد ہے کافی جدوجہد اور کاوشوں کے بعد نوشکی میں پارک کی تعمیر کا منصوبہ شروع کیا گیا۔15جولائی 2004 کو سابق گورنر بلوچستان اویس احمد غنی نے پارک کا افتتاح کیا لیکن متعلقہ حکام کی عدم توجہی کے باعث پارک فعال نہیں ہوسکا۔ 2017 میں سابق صوبائی وزیر بلدیات حاجی میر غلام دستگیر بادینی نے وزیراعلی پیکیج سے پارک کے لیے 40 ملین روپے کی گرانٹ مختص کی۔پارک میں شہید لیفٹیننٹ صفی اللہ بادینی ٹوڈلر ہال تعمیر کر کے بچوں کو بہتر تفریحی سہولیات کے لیے مختلف قسم کے تفریحی آئیٹمز کی تنصیب عمل میں لائی گئی۔بچوں کی تفریحی کے لیے پارک کے چاروں اطراف ٹرین سروس ٹریک کی تعمیر، مختلف قسم کے جھولوں اور دیگر تفریحی آئیٹمز کی تنصیب، سوئمنگ پول، اور پارک کے چاروں اطراف سولر اسٹریٹ لائٹس کی تنصیب عمل میں لائی گئی۔گھاس اور بڑی تعداد میں درخت بھی لگوائے گئے۔ جوئے نوشکی بھی پارک کے درمیان سے گزرتی ہے جو پارک کی خوبصورتی کا باعث ہے۔ پارک میں تفریحی کے لیے آنے والوں کے لیے کینٹین ٹک شاپ اور بیوٹی پارلر کے لیے جگہ کی تعمیر بھی عمل میں لائی گئی ہے۔ پارک کے درخت اور گھاس پانی نہ ملنے کی وجہ سے خشک ہو رہے ہیں، اسٹریٹ لائٹس کے پول ناکارہ ہو گئے ہیں،ٹریک بھی ٹوٹ پھوٹ سے دوچار ہیں۔ کروڑوں روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والے تفریحی پارک کے لیے چار سالوں کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی کوئی بہتر حکمت عملی وضع نہ کرنا متعلقہ ادارے انتظامیہ اور عوامی نمائندوں کی کارکردگی اور عدم توجہی پر سوالیہ نشان ہے۔کروڑوں روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والے تفریحی پارک کو فعال بنا کر نوشکی کے عوام شہریوں اور بخصوص بچوں کو بہتر تفریحی سہولیات دیکر نوشکی کے خوبصورتی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے نوشکی کے نوجوانوں اور شہریوں سے بھی گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے پارک اور لائبریریوں کو آباد رکھنے کے لیے کردار ادا کریں تو اس کے مثبت اور دوررس نتائج سامنے آسکتے ہیں اگر پارک کی بہتری اور فعال بنانے کے لیے فوری اقدامات نہیں کیے گئے تو کروڑوں روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والا پارک نیست ونابود ہوجانے کا خدشہ ہے۔

(محمد سعید)

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف ’کر کے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقتدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلا وطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضا مندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو و نما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15
HRCP
کمپوز : جمال احمد سید رضا شاہ